دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

شمارہ نمبر ۶ ما ۱ | مارچ و اپریل ۱۹۸۶ء | بمطابق | رجب المرجب و شعبان المعظم ۱۴۰۶ھ | جلد نمبر

--- نگران ---

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

مولانا حبیب الرحمن قاسمی

سالانہ بدل اشتراک بیرون ممالک سے: سعودی عرب، کویت، ابوظبی ایرمیل =/۱۱۵ جنوبی و مشرقی افریقہ، برطانیہ =/۱۲۵ امریکہ، کناڈا وغیرہ بذریعہ ایرمیل ۱۴۵/-

پاکستان بذریعہ ایرمیل -/۶۰ بنگلہ دیش -/۴۰

محبوب پریس دیوبند: سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپکا زر تعاون ختم ہوگیا ہے۔

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

حبیب الرحمٰن قاسمی

بابری مسجد حقائق اور افسانے

یکم فروری ۱۹۸۶ء (۲۱ رجادی الثانی ۱۴۰۶ھ) سنیچر کے دن "بابری مسجد" واقع اجودھیا ضلع فیض آباد، ناجائز اور غیر منصفانہ طور پر نہایت ڈرامائی انداز سے "رام جنم استھان مندر" میں تبدیل کردی گئی، اس حادثہ فاجعہ پر مسلمانوں کو جس قدر غم ہو کم ہے،

"آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمین"

یہ ظالمانہ اقدام محض جبر و تشدد اور کثرت طاقت کے نشہ میں کیا گیا ہے، لیکن دنیا کو فریب دینے کے لئے اس پر عدالت کے فیصلے کی چادر ڈال دی گئی ہے حالانکہ اس غیر قانونی عمل کو عدالت کا فیصلہ کہنا خود عدلیہ کی توہین ہے اور اب اس نام نہاد فیصلہ کو حق بجانب اور درست ثابت کرنے کی غرض سے "بابر" اور اس کی جانب منسوب "بابری مسجد" کی تاریخ مسخ کرنے کی ملک گیر تحریک چلائی جارہی ہے، اس رسوائے زمانہ تحریک کا سلسلہ اگرچہ عرصۂ دراز سے جاری تھا مگر اسے آجکل تیز تر کر دیا گیا ہے، اور "وشو ہندو پریشد" آریہ پرتی ندھی سبھا، بھارتیہ جنتا پارٹی، وغیرہ فرقہ پرست تنظیمیں چیخ چیخ کر کہہ رہی ہیں کہ "بابری مسجد کو بابر شاہ نے رام جنم استھان مندر توڑ کر اس کے کھنڈر پر تعمیر کرایا تھا اس لئے اس مسجد کو ہندو فرقہ کے حوالہ کرنے کا فیصلہ حق و انصاف پر مبنی ہے۔

اس بے بنیاد اور من گھڑت افسانے کو ایک صحیح اور سچا واقعہ باور کرانے کے لئے علم و کی تحقیق کی آبرو کو بالائے طاق رکھ کر پوری جسارت کے ساتھ تزک بابری، آئین اکبری اور عالمگیری نامہ جیسی اہم تاریخی کتابوں کا بالکل غلط طور پر حوالہ بھی دیا جا رہا ہے۔

اس لئے جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ منعقدہ ۲۱، ۲۲ فروری ۱۹۸۶ء نے ضرورت محسوس کی کہ بابری مسجد کی صحیح تاریخ عوام کے سامنے پیش کی جائے تاکہ سرکاری وغیر سرکاری ذرائع ابلاغ کی مدد سے پھیلائی ہوئی غلط فہمی کا یہ بادل چھٹے جس نے ملک کی فضاء کو خطرناک حد تک مسموم بنا دیا ہے، اور ملک کا انصاف پسند طبقہ کذب و افتراء کی تاریکیوں میں بھٹکنے کے بجائے اس انتہائی حساس اور نازک معاملہ میں علم و تحقیق کی روشنی میں غور کر سکے چنانچہ جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم حضرت مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم نے یہ خدمت احقر کے سپرد کی، مظلوم بابری مسجد کے سلسلہ میں یہ تحریر اسی حکم کی تعمیل میں سپرد قلم کی گئی ہے، اور قارئین ماہنامہ دار العلوم کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔

کیا بابر اجودھیا آیا تھا؟

چونکہ یہ مظلوم مسجد بابر کی جانب منسوب ہے، اس لئے عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اسے بابر نے تعمیر کرایا تھا، پھر اس مفروضہ کی بنیاد پر یہ افسانہ گھڑ لیا گیا کہ بابر نے اجودھیا آکر "رام جنم استھان مندر کو گرایا" اور پھر اس کی جگہ پر یہ مسجد بنوائی چنانچہ حکومت یوپی کے محکمہ اطلاعات کی جانب سے شائع ہونے والے ماہنامہ "اترپردیش" میں بعینہٖ یہی بات کہی گئی ہے۔

"۱۹۲۸ء میں بابر یہاں (اجودھیا) آیا تھا اس نے ایک ہفتہ قیام کیا اور جنم استھان مندر کو گرا کر ایک مسجد تعمیر کرائی جو اس مندر کے ملبہ پر تعمیر کی تھی"۔

(ماہنامہ اترپردیش شمارہ اپریل ۱۹۸۴ء ص ۲۷)

اس لئے پہلے یہ طے ہو جانا ضروری ہے کہ "بابر" اجودھیا آیا تھا کیونکہ جنم استھان مندر، گرانے کی داستان اسی دعویٰ کی بنیاد پر گھڑی گئی ہے۔

مؤرخین ہند خواہ مسلم دور حکومت سے تعلق رکھتے ہوں یا اس عہد کے بعد کے ہوں سب اس پر متفق ہیں کہ "بابر" کے حالات میں مستند ترین مآخذ خود اس کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا وہ سوانحی روزنامچہ ہے جو علمی حلقوں میں "تزک بابری" کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے، "بابر" نے ۸۹۲ھ سے جبکہ اس کی عمر صرف بارہ سال کی تھی، اسے لکھنا شروع کردیا تھا اور اپنے مرضِ وفات میں مبتلا ہونے سے چھ ماہ قبل یعنی ۹۳۶ھ تک اس سلسلہ کو جاری رکھا تزک میں اس کی آخری تحریر ۳ محرم ۹۳۶ھ کی ہے اور اسی سال رجب کے مہینہ میں بیمار ہوا اور اسی بیماری میں ۵ رجمادی الاولیٰ ۹۳۷ھ کو انتقال کرگیا اس طرح یہ روزنامچہ آخری ایک سال کے علاوہ اس کے پورے سوانح حیات کو حاوی ہے جس میں اس نے اپنی زندگی کے ہر چھوٹے بڑے واقعہ کو تفصیل سے قلم بند کردیا ہے حتیٰ کہ وہ جن مقامات پر گیا ہے وہاں کے عوام کی حالت، جانوروں کی قسمیں، آب وہوا، باغات اور عمارتوں کا تذکرہ بھی بڑی دلچسپی کے ساتھ کرتا ہے، اصل کتاب ترکی زبان میں ہے، اس کا سب سے پہلا ترجمہ "اکبر" کے حکم سے خانخاناں عبدالرحیم نے فارسی میں کیا تھا، جو ابتک غیر مطبوعہ ہے، اس کے بعد انگریز مؤرخ "اے، ایس، بیورج نے "دی بابر نامہ ان انگلش" کے نام سے انگریزی میں ترجمہ کیا جو دو جلدوں میں ۱۹۲۲ء میں شائع ہوا، یونیورسٹیوں اور دیگر علمی حلقوں میں عام طور پر یہی ترجمہ رائج ہے، مسز بیورج نے ترجمہ کے ساتھ تفصیلی فٹ نوٹ بھی لکھا ہے، جس سے اس کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے "بابر نامہ" کے نام سے اردو میں بھی ترجمہ ہوگیا ہے، اب یہی انگریزی اور اردو کے دونوں ترجمے تذکرہ نویسوں کے لئے ماخذ و مرجع کا کام دیتے ہیں، کوئی بھی شخص ان ترجموں کو اول سے آخر تک پڑھ جائے اسے ان میں کہیں بھی "بابر" کے "اجودھیا" آنے کا ذکر نہیں ملے گا، البتہ ۹۳۵ھ کے واقعات کے ضمن میں اس کی یہ تحریر ضرور ملتی ہے۔

"ہفتہ ۷ رجب کو ہم نے "اودھ" سے دو تین کوس (چھ میل) پر "گھاگھرا" اور "سردا (ساردا) کے سنگم پر قیام کیا (یہ سنگم بہرائچ میں ہے) اس وقت تک

"شیخ بایزید" سرو (ساردا) کی دوسری جانب تھا اور سلطان (حسین تیمور) سے خط و کتابت کر رہا تھا اس کی دھوکہ بازیوں سے واقفیت کی بنا پر ہم نے بوقت ظہر "سلطان کو حکم دیا کہ وہ دریا پار کرنے کے لئے تیار ہو جائے، قباچہ کے پیچھے بہر انہوں نے فوراً دریا پار کیا وہاں پچاس گھوڑے اور تین چار ہاتھی موجود تھے وہ مقابلے کی تاب نہ لا سکے اور فرار کی راہ اختیار کی چند لوگ جو گھوڑے سے اتر گئے تھے انکے سر کاٹ کر حاضر کئے گئے۔ (بابر نامہ اردو ۳۳۹)

"بابر" کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ وہ "شیخ بایزید" کی بغاوت فرو کرنے کے لئے رجب ۹۳۵ھ میں اس دیار میں آیا تھا مگر بقول خود اس کا قیام اجودھیا سے ۶ میل دور سار دا کے سنگم پر ہوا، شیخ بایزید کی شکست کے بعد اپنے ایک امیر سید "میر باقی اصفہانی" کو اس علاقے کا حاکم مقرر کر کے یہیں سے براہ الہ آباد وکڑہ بہار چلا گیا جہاں سلطان محمود بن سکندر لودھی نے علم بغاوت بلند کر رکھا تھا۔ تقریباً ایک ماہ بہار کے علاقے میں گذار کر واپس لوٹا اور واپسی کے موقع پر بھی وہ اجودھیا سے کافی فاصلے سے گذرا، جیسا کہ تزک کی درج ذیل تحریر سے ظاہر ہے۔

"بروز دوشنبہ ۲۲ رمضان کو ہم چوپاوہ میں پہونچے چتر مکھ کے راستے دریائے سرجو کے کنارے ہوتے ہوئے بہار اور سرو (ساردا) کے قضیوں سے فارغ ہو کر اور دس کوس (۲۰ میل) چلنے کے بعد دریائے سرجو کے کنارے کیلرہ نامی گاؤں میں جو فتحپور کے علاقے میں ہے قیام کیا، ہم نے کئی دن اس مقام پر گذارے یہاں آب رواں ہے، اچھی عمارتیں ہیں اشجار خاص طور پر آم کے درخت اور رنگ برنگ کی چڑیاں ہیں، پھر ہم نے غازی پور کی طرف کوچ کا حکم دیا (بابر نامہ اردو ص ـــ)

ان دونوں تحریروں کے علاوہ "تزک بابری" میں کوئی ایسی عبارت نہیں ملتی جس سے "بابر" کے اس دیار میں آنے کا سراغ لگایا جا سکے۔

تزک بابری کے علاوہ طبقات اکبری تالیف خواجہ نظام الدین احمد، اکبر نامہ ابو الفضل،

منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونی خلاصۃ التاریخ منشی سبحان رائے، تاریخ فرشتہ محمد قاسم فرشتہ منتخب اللباب محمد ہاشم خافی خان، غرضیکہ کسی بھی معاصر یا غیر معاصر مستند و معتبر تاریخ میں بابر کے اجودھیا آنے کا ذکر نہیں ملتا، اس لئے جس بنیاد پر مندر توڑ کر مسجد بنانے کی عمارت کھڑی کی گئی ہے، جب اس بنیاد ہی کا وجود نہیں تو عمارت کا جو حال ہوگا اہل نظر سے مخفی نہیں۔

جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

"بابر" کے حالات میں اس وقت جتنی بھی کتابیں دستیاب ہیں ان میں "بابر" کے نہ صرف اجودھیا بلکہ کسی بھی مقام پر مندر توڑنے کا ذکر نہیں ہے، حتیٰ کہ جدونا تھ سرکار، ایسٹ اور ڈاوسن بھی "بابر کی مندر شکنی کا کوئی واقعہ نقل نہیں کیا ہے، جبکہ یہ مؤرخین مسلم حکمرانوں کی مندر شکنی کے واقعات میں خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔

ان تاریخی شواہد کے علاوہ خود "بابر" جس ذہن و مزاج کا حکمراں ہے اس کے پیش نظر یہ از بعید از قیاس ہے کہ وہ کسی بھی مذہبی عبادت گاہ پر غلط نگاہ ڈالے گا، اس کے اس مزاج کو سمجھنے کیلئے وہ وصیت نامہ کافی ہے جو اسنے اپنے بڑے بیٹے ہمایوں کے لئے قلم بند کیا تھا وہ اسمیں ہمایوں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

اے فرزند! ہندوستان کی سلطنت مختلف مذاہب سے بھری ہے، خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں اس کی بادشاہت عطا کی، تم پر لازم ہے کہ اپنے لوح دل سے تمام مذہبی تعصبات کو مٹا دو، اور ہر مذہب کے طریقے کے مطابق انصاف کرو، تم خاص کر گائے کی قربانی کو چھوڑ دو، اسی سے تم ہندوستان کے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر سکوگے، پھر اس ملک کی رعایا شاہی احسانات سے دبی رہے گی، جو قوم حکومت کے قوانین کی اطاعت کرتی ہے، اس کے مندروں اور عبادت گاہوں کو منہدم نہ کرو، عدل و انصاف اس طرح کرو کہ بادشاہ رعایا سے اور رعایا بادشاہ سے خوش رہے، اسلام کی ترویج ظلم کی تلوار سے زیادہ احسانات کی تلوار سے ہو سکتی ہے، شیعوں اور سنیوں کے اختلاف سے چشم پوشی کرتے رہو، ورنہ

اسلام میں ان سے کمزوری پیدا ہوتی رہے گی، مختلف عقاید رکھنے والی رعایا کو اس طرح
ان عناصر اربعہ کے مطابق ملاؤ جس طرح کہ انسانی جسم ملاتا ہے، تاکہ سلطنت کا ڈھانچہ
اختلافات سے پاک رہے، یکم جمادی الاولی ۹۳۵ھ انڈیا ڈیوائڈڈ ص ۳۹
از ڈاکٹر راجندر پرشاد سابق صدر جمہوریہ ہند)

ان دلائل وشواہد کی روشنی میں ایک دیانتدار مؤرخ اور حقیقت پسند مبصر یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہے کہ "بابر" مندر شکنی کے الزام سے قطعاً بری ہے، چنانچہ پروفیسر "شری رام شرما" اپنی مشہور کتاب، "مغل امپائر ان انڈیا" میں پوری صفائی سے لکھتے ہیں۔

"ہم کو کوئی ایسی شہادت نہیں ملتی کہ "بابر" نے کسی مندر کو منہدم کیا یا کسی ہندو کی ایذا رسانی محض اسلئے کی کہ وہ ہندو ہے۔ ص ۵۵ ایڈیشن ۱۹۴۵ء بحوالہ معارف فروری ۸۶ء

تلاش حقیقت

جب یقینی طور پر یہ معلوم ہوگیا کہ "بابر" اجودھیا آیا ہی نہیں تو اس کے بابری مسجد تعمیر کرانے کا سوال نہیں پیدا ہوتا، لہذا اب ہمیں تاریخ ہی کی روشنی میں یہ پتہ لگانا چاہیئے کہ اس مسجد کا بانی حقیقتاً ہے کون اور اس نے اسے کب تعمیر کرایا ہے، اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشیں رہنی چاہیئے کہ بابری مسجد اجودھیا ہندوستان میں موجود لاکھوں مسجدوں کے مقابلے میں کسی خصوصی امتیاز کی حامل نہیں ہے، اسی لئے مؤرخین جس طرح عام مسجدوں کی تاریخ بیان کرنے کا عام طور پر اہتمام نہیں کرتے بعینہ "بابری مسجد اجودھیا" کے بارے میں بھی ان کا یہی رویہ ہے، بالفرض اگر یہ مسجد کسی خصوصی اہمیت کی حامل ہوتی یا اس کی تعمیر کے ساتھ کوئی جذباتی واقعہ وابستہ ہوتا یا کم از کم اسے کسی بادشاہ کے تعمیر کا شرف حاصل ہوتا تو مؤرخین اس طرح سے اس کے بارے میں خاموش نہ رہتے بلکہ اس کی تفصیلات ضرور لکھتے لیکن مؤرخین کے اس مکمل سکوت کے باوجود "بابری مسجد" کی تاریخ تاریکی میں نہیں ہے بلکہ اس میں نصب کتبوں کی بناء پر آئینہ کی طرح روشن ہے۔

آج کی دنیا میں کتبات کی جو اہمیت ہے، وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں، آج حکومتیں ان کی فراہمی اور حفاظت پر کروڑوں روپئے خرچ کر رہی ہیں، اور ان سے صرف عمارتوں ہی کی تاریخ معلوم نہیں کی جاتی

بلکہ قوموں کی مذہبی، تمدنی اور سیاسی تاریخ کی تدوین میں انہیں مستند ترین مواد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے

بابری مسجد اجودھیا کے کتبے

اسے اتفاق ہی کہیئے کہ "بابری مسجد" میں ایک کے بجائے تین کتبے نصب کیے گئے تھے جن میں دو تاریخی حیثیت سے خاص اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ ان میں مسجد کی تعمیر کا سن اور بانی کے نام کی تصریح موجود ہے۔

(۱) یہ کتبہ پتھر کی دو میٹر لمبی اور ۵۵ سینٹی میٹر چوڑی تختی پر ہے جو مسجد کے مسقف حصہ کے درمیانی مرکزی در کے اوپر نصب ہے، جس پر بسم اللہ کے علاوہ تین سطروں میں آٹھ اشعار لکھے ہوئے ہیں، جن میں پانچویں شعر کے دوسرے مصرعہ میں بانی کا نام نسبت کی صراحت کے ساتھ نظم کیا گیا ہے اور آٹھویں شعر کا دوسرا مصرعہ تعمیر کی تاریخ پر مشتمل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم		
بنام آنکہ او دانا ست اکبر	کہ خالق جملہ عالم لامکانے	درود مصطفیٰ بعد از ستائش
کہ سرور انبیاء زبدہ جہانے	فسانہ در جہاں بابر قلندر	کہ شد در دور گیتی کامرانے
چناں کہ سطلع کشور گرفتہ	زمیں را چوں مبارز آسمانے	دراں حضرت یکے سید معظم
کہ نامش میر باقی اصفہانے	مشیر سلطنت تدبیر ملکش	کہ زیں مسجد حصار بہستانے
خدایا در جہاں تابندہ ماند	کہ خیر وبخت وتخت وزندہ گانے	دریں عہد ودریں تاریخ میموں
کہ نہ صد پنج وسی بودہ نشانے	(ان دو سطروں میں عربی میں	کچھ لکھا ہوا ہے جو پڑھا نہیں جا سکا) (حبیب الرحمن)

اس کتبے کے اشعار میں پہلے اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا پھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر درود ہے اور آپؐ کو تمام انبیاء کا سردار اور خلاصۂ کائنات کہا گیا ہے، پھر دو شعروں میں "بابر" کی تعریف اور اس کی فتح وکامرانی کو نہایت لطیف اور بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے، یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے، کہ اس موقعہ پر بابر کو بادشاہ کے بجائے قلندر کہا گیا ہے، یہ لفظ صوفیوں کی اصطلاح میں مرنجاں مرنج اور ہر قسم کے مذہبی تعصب سے بے نیاز شخصیتوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

پھر بیان کیا گیا ہے کہ "بابر" کے درباریوں میں ایک صاحب عظمت سید ہیں جن کا اسم گرامی "میر باقی اصفہانی" ہے پھر "میر باقی" کے انتظام مملکی کی تعریف ہے اس کے بعد کے شعر میں بتایا گیا ہے کہ ان ہی "میر باقی" کی بدولت یہ مسجد روشن ضمیروں کے لئے حصار بنائی گئی ہے اس کے بعد کے چار شعروں میں ان کے لئے دعا ہے کہ خدایا دنیا میں ان کے اس خیر یعنی مسجد اور ان کے مقام و مرتبے اور زندگی کو تابندہ رکھ کر تاکہ ۹۳۵ ھ کی یادگار باقی اور پائیدار رہے۔

"مسز بیورج" نے اپنے ترجمہ "دی بابر نامہ ان انگلش" کی دوسری جلد کے ضمیمہ میں "بابری مسجد اجودھیا" کے کتبات کے عنوان کے تحت منبر کے بائیں سمت والے کتبہ کے علاوہ، مندرجہ بالا کتبے کو بھی درج کیا ہے، لیکن انہوں نے اس کے آٹھ شعروں میں سے شروع کے صرف تین اشعار نقل کئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ بقیہ اشعار کو وہ پڑھ نہ سکیں اس لئے انہیں چھوڑ دیا

۲، ۳ یہ دونوں کتبے مسجد کے اندرونی حصہ میں "منبر" کے داہنی اور بائیں جانب تھے۔

(داہنی سمت کا کتبہ) (۲)

بہ منشائے بابر خدیو جہاں — بنائیکہ با کاخ گردوں عناں
بنا کرد ایں خانۂ پائیدار — امیر سعادت نشاں میر خان
بماند ہمیشہ چنیں بانیش — چناں شہریار زمین و زماں

(بائیں جانب کا کتبہ) (۳)

بفرمودۂ شاہ بابر کہ عدلش — بنائیست با کاخ گردوں ملاقی
بنا کردہ ایں مہبط قدسیاں را — امیر سعادت نشاں میر باقی
بود خیر باقی و سال بنائش — عیاں شد چوں گفتم بود خیر باقی
۹۳۵ھ

معمولی سے فرق کے علاوہ ان دونوں کتبوں کے مضمون میں یکسانیت ہے البتہ دوسرے کتبہ

کا آخری شعر دعائیہ ہے اور تیسرے کے آخری جملہ سے تاریخ تعمیر نکلتی ہے اس آخری کتبہ کو مسز بیورج نے بھی نقل کیا ہے لیکن ان سے اس کے پڑھنے میں غلطی ہوئی ہے جس سے تعمیر کی معنویت متأثر ہوئی ہے وہ آخری شعر کو اس طرح لکھتی ہیں۔

بود خیر باقی چو سال بنائش　　　　عیاں شد کہ گفتم بود خیر باقی

جبکہ صحیح اس طرح ہے۔

بود خیر باقی وسال بنائش　　　　عیاں شد چوں گفتم بود خیر باقی

۲۷ مارچ ۱۹۳۴ء مطابق ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ کو اجودھیا میں ایک زبردست فرقہ وارانہ فساد ہوا تھا، اس موقع پر فسادیوں نے "بابری مسجد" میں گھس کر توڑ پھوڑ کیا تھا اسی وقت ان دونوں کتبوں کو بھی اکھاڑ دیے گئے، لیکن بعد منبر کے بائیں جانب والے کتبے کی ایک نقل تیار کرا کے تہور خان ٹھیکیدار نے نصب کرا دیا البتہ دائیں جانب کی نقل وہ بھی نہ کرا سکے۔

سید بدر الحسن فیض آبادی کے پاس اس ضائع شدہ کتبے کی ایک نقل موجود تھی اسی نقل کے حوالہ سے یہ کتبہ یہاں درج کیا گیا ہے۔

ان تینوں کتبوں کی فلم اور اس کا فوٹو ضمیمہ فارسی و عربی ہندوستانی کتبات ۱۹۶۵ء ناگپور میں موجود ہے، جسے حاصل کر کے دیکھا جا سکتا ہے۔

مسجد کی مرکزی در والا اصلی کتبہ اور منبر کی بائیں جانب والا نقل شدہ کتبہ یہ دونوں کتبے ۱۹۴۹ء سے پہلے تک مسجد میں موجود تھے، اب موجود ہیں یا وہ بھی بیراگیوں کے دست کرم کے شکار ہو گئے خدا ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ تقریباً ۳۷ سال کی طویل مدت سے مسلمانوں کا اپنی اس قدیم عبادتگاہ کے پاس سے گذرنا بھی ممنوع ہے اس کے اندر جانا تو بہت دور کی بات ہے اس لئے اسی وقت ان کتبوں کے متعلق کوئی حتمی بات نہیں کہی جا سکتی۔

لیکن ان کتبوں کے اب مسجد میں ہونے یا نہ ہونے سے انکی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ انکی مستند نقلیں حکومت کے محکمۂ آثار قدیمہ اور تاریخ کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں۔

یہ کتبے آج بھی شہادت دے رہے ہیں کہ "بابری مسجد" اجودھیا کا بانی "شاہ بابر" نہیں بلکہ اسکا ایک "سید میر باقی اصفہانی" تھا جسے بابر نے ۹۳۵ھ ۱۵۲۸ء میں علاقہ اودھ کا حاکم مقرر کیا تھا "میر باقی" نے اسی تقرری کی یادگار کے طور پر اس مسجد کی تعمیر کرائی تھی، جیساکہ پہلے کتبہ کے آخری مصرع "کہ بنہ صدیج وسی! نشانی" سے واضح ہے۔

اور تیسرے کتبہ کے دوسرے شعر "بناکرد این ہبط قدسیاں" سے اشارہ ملتا ہے کہ اس مسجد کی تعمیر عدل وانصاف کے مطابق ہوئی ہے کیونکہ اسلامی نقطہ نظر سے فرشتوں کی درودگاہ وہ مقام کبھی نہیں ہوسکتا جس کی بنیاد ظلم وجور پر رکھی گئی ہو، اور اسلامی قوانین کی رو سے کسی مذہب کی عبادتگاہ کو منہدم کرنا ظلم وزیادتی ہے، اور اس غیر منصفانہ حرکت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مسز بیورج نے ان کے ترجمہ اور تشریح میں کہیں یہ نہیں لکھا ہے کہ یہ "مسجد" جنم استھان کو توڑکر بنائی گئی ہے، اسی طرح ولیم ارسکن، آزبروک ولیم جنہوں نے بابر کے عہد کی تاریخ لکھی ہے بابر کے کسی مندر توڑنے کا ذکر نہیں کرتے۔

ان مستند تاریخی شواہد کے علاوہ مسجد کا جائے وقوع بھی یہی کہتا ہے کہ یہاں مسجد سے پہلے مندر نہیں ہوسکتا، کیونکہ مسجد کے احاطے کی چہار دیواری سے متصل پورب اور دکھن سمت "گنج شہیداں" ہے یعنی ان شہیدوں کے مزارات ہیں جو سپہ سالار مسعود غازی کے رفقا میں سے تھے اور دو قدم فاصلے پر "قاضی قدوہ" کی قبر ہے جو غالباً خاندان قدوائی کے مورث اعلیٰ تھے۔

مسعود غازی پانچویں صدی ہجری میں اس دیار میں آئے تھے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس لئے اس مقام پر ان کے رفقا کے مزارات کا ہونا یہ بتاتا ہے کہ اس حصۂ زمین پر اس وقت کوئی مندر وغیرہ نہیں تھا کیونکہ کسی مندر کے متصل شہیدوں کے مزارات نہیں بنائے جاتے ان مزارات کے بعد محلہ قضیانہ اور ایک اور مسلم محلہ کی آبادی شروع ہو جاتی تھیں جس میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کا آبائی مکان تھا، اور مسجد کے پورب سمت ذرا سے فاصلے پر محلہ بیگم پورہ تھا، جو نوابان اودھ کے دور تک خالص مسلم آبادی پر مشتمل تھا، اور مسجد کے اتر جانب احاطہ مسجد سے بالکل متصل تقریباً پندرہ

میٹر چوڑی قدیم سڑک ہے اسی سڑک کے متصل اتر پورب سمت میں جنم استھان کا احاطہ ہے الحاصل اس قدیم سڑک سے دکھن جانب خالص مسلمانوں کی آبادی اور انکے قدیم مزارات ہیں اس جانب نوابان اودھ کے دور سے پہلے نہ ہندو آبادی تھی اور نہ کوئی مندر وغیرہ ان کے سارے مندر سڑک کے اتری سمت میں تھے جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی جگہ پہلے ہی سے مسلمانوں کی ملکیت میں تھا اس لئے یہاں کسی مندر کے ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

چنانچہ آج سے تقریباً آٹھ، نو سال قبل حکومت نے محکمۂ آثار قدیمہ کے ذریعہ "بابری مسجد" کی غربی دیوار سے بالکل متصل بڑے پیمانے پر کھدائی کرائی تھی اس کھدائی سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوا کہ یہاں مسجد سے پہلے کسی قسم کی کوئی عمارت نہیں تھی کیونکہ کھدائی کے بعد کسی عمارت کے کوئی آثار اس جگہ نہیں پائے گئے اس کھدائی کی رپورٹ حکومت کے پاس محفوظ ہے ان دلائل قرائن کے بعد ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس سلسلے میں ایک ہندو محقق کی تحقیق بھی پیش کردیں تاکہ حقیقت حال اچھی طرح روشن ہوکر سامنے آجائے۔

جنم استھان کے بارے میں ایک ہندو محقق کی تحقیق

ڈاکٹر آر، ایل شکلا استاذ دہلی یونیورسٹی دہلی نے ۱۹۸۴ء میں ایک مقالہ بعنوان (राम की नगरी अयोध्या झूठ या सच) (رام کی نگری اجودھیا جھوٹ یا سچ) لکھا تھا، یہ اقتباس اسی مقالہ سے ماخوذ ہے یہ مقالہ اگرچہ اس قابل ہے کہ اسے پورا نقل کردیا جائے لیکن طوالت کے خوف سے اس کے ضروری اقتباسات اس موقع پر نقل کئے جارہے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ

"بعض مؤرخین" مہابھارت" میں بیان کئے گئے "رام" کو حقیقی کردار مانتے ہیں یہ مؤرخین رام کا زمانہ ڈھائی ہزار قبل مسیح مانتے ہیں، اور مہابھارت کا زمانہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک ہزار پہلے کا بتایا جاتا ہے، اگر ہم اس تحقیق کو صحیح مان لیں تو رامائن میں جن مقامات کا تعلق رام جی سے بیان گیا گیا ہے، ان جگہوں میں عیسیٰ (علیہ السلام) سے ڈھائی ہزار سال پہلے انسانی زندگی کے آثار ملنے چاہئیے اسی مقصد کے پیش نظر تین مقامات کی کھدائی ہوئی ہے (۱) فیض آباد ضلع میں" اجودھیا" (۲) الہ آباد سے ۲۵ کلو میٹر شمال کی سمت واقع موضع "شرنگویر پور" کی

(۳) اورالہ آباد میں واقع "بھارد واج" آشرم کی اجودھیا میں کھدائی آج سے تقریباً ۲۵ سال پہلے بھی ہوئی تھی اس وقت بھی وہاں آبادی کے نشان عیسی (علیہ السلام) سے ۴۰۰ سال پہلے کے نہیں ملے تھے اور اب سے تقریباً دس سال پہلے دوبارہ بڑے پیمانے پر وہاں (اجودھیا) کھدائی ہوئی ، (اس کھدائی سے بھی آبادی کے متعلق وہی نتیجہ نکلا کہ عیسی (علیہ السلام) سے (زیادہ سے زیادہ) ۷۰۰ سال قبل کی آبادی کے نشان پائے گئے ، اب اگر یہ مان لیا جائے کہ یہی (موجودہ) اجودھیا "رام جی" کی نگری تھی جوان کی جنم بھومی مانی جاتی ہے تو (سوال پیدا ہوتا ہے) کہ رام جی کے زمانہ سے اجودھیا کے زمانے کا تعلق اور جوڑ کیوں نہیں قائم ہوتا ، اجودھیا کی آبادی عیسی (علیہ السلام) کے زمانے سے ۴۰۰ یا ۷۰۰ سال پہلے کی ہے جبکہ رام جی کا زمانہ عیسیٰؑ سے ۲۵۰۰ سال قبل یا بعض مؤرخین کی تحقیق کے اعتبار سے اس سے بھی پہلے کا ہے تو پھر اجودھیا رام کی بھومی کیسے ہوسکتی ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے

سچ تو یہ ہے کہ مشرقی یو پی ، شمالی بہار اور مگدھ کے علاقوں میں پہلے جنگل ہی جنگل تھے ان علاقوں میں تقریباً ۵۰ سے ۷۰ انچ تک بارش ہوتی ہے جس کی بنا پر میدانوں میں جنگل کا پیدا ہوجانا فطری امر ہے ، جب تک ان جنگلوں کو کاٹ کر صاف نہیں کیا گیا وہاں بستیوں کا آباد ہونا ممکن نہ تھا ان جنگلوں کی صفائی کا کام انہیں جلاکر یا لوہے کے کلہاڑوں سے کاٹ کر کیا گیا ہے اور جدید تحقیقات سے بیطے ہوچکا ہے کہ لوہے کا استعمال ان علاقوں میں ۷۰۰ سال قبل از مسیح نہیں تھا

قدیم پالی ادب میں بڑی بڑی حکومتوں کا ذکر ہے جنہیں "مہاجن پد" کہا جاتا تھا ، تبیز پالی ادب میں "اجودھیا" کا بھی ذکر ہے اس کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ "بدھ" کے عہد میں اس علاقہ میں حکومت کا قیام ہوگیا تھا ، لیکن اس سے پہلے کسی حکومت کے قیام کا ثبوت نہ تو قدیم ادب سے ملتا ہے اور نہ آثار قدیمہ ہی سے ، اس لئے جو لوگ اجودھیا کو رام کی جنم بھومی کہتے ہیں ان کے پاس اس کی کوئی بھی دلیل نہیں ہے ۔

بالمیکی رامائن (کے مطابق) "کوشل" کا پایۂ تخت "اجودھیا" سرجو ندی کے داہنی سمت سرجو سے ڈیڑھ یوجن (۱۳½ میل) کے فاصلے پر تھا اور سرجو اس سے پچھم سمت تھی، اور آج کا اجودھیا سرجو کے بالکل کنارے پر ہے پھر آج سرجو اجودھیا سے پورب سمت ہے نہ کہ پچھم میں (بالمیکی کے اس بیان سے بھی موجودہ اجودھیا رام کی جنم بھومی نہیں ہو سکتا ہے)۔ (ایٹک سنواد، ماہ نومبر ۱۹۸۴ء ص ۱۲، ۱۳)

پھر یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ہندو مذہب کی اہم ترین کتاب "اتھروید" سے پتہ چلتا ہے کہ لفظ "ایودھیا" "اسم علم (نام) کے طور پر نہیں بلکہ صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے" انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانسڈ اسٹڈی شملہ" کے فیلو پروفیسر" بی.بی لال"، جو آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کے ڈائرکٹر جنرل بھی رہ چکے ہیں، انہوں نے انکشاف کیا ہے، کہ

"کسی ایک جگہ بھی لفظ اجودھیا اسم معرفہ (نام) کے طور پر استعمال نہیں ہوا ہے اس لئے یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ یہ کسی شہر کا نام ہے" ہفت روزہ نئی دنیا دہلی شمارہ ۱۸ و ۲ مارچ ۱۹۸۶ء ص ۱۴، ۱۵)

ان تحقیقات کے علاوہ بعض محققین کی رائے یہ بھی ہے کہ رام کرشن کا "(جن کی راجدھانی اجودھیا بتائی جاتی ہے)" وہ کوسل کے بادشاہ تھے ہی نہیں بلکہ وہ بنارس کے حکمراں تھے۔

چنانچہ اے، ایل باشم لکھتے ہیں،

"یہ بات بھی یقینی نہیں ہے کہ "رام" کوسل کا بادشاہ تھا کیونکہ اس افسانے (رامائن) کا قدیم ترین نسخہ جو ہمارے پاس ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بنارس کا بادشاہ تھا جو تھوڑے زمانے کے لئے ایک اہم حکومت تھی۔

(ہندوستان کا شاندار ماضی ص ۶۷، ۶۸ ناشر ترقی اردو بیورو نئی دہلی ۱۹۸۲ء)

الحاصل قدیم ہندو ادب اور جدید تحقیقات دونوں کے اعتبار سے موجودہ "اجودھیا" کا تعلق رامائن کے کردار (ہیرو) "رام" سے کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اجودھیا کی آبادی رام کے اٹھارہ سو (۱۸۰۰) سال بعد وجود میں آئی ہے، اس لئے علم و تحقیق کی رو سے اجودھیا کو رام جنم بھومی کہنا انتہائی مضحکہ خیز ہے جس کی حیثیت دیومالائی افسانے سے زیادہ نہیں۔

غالباً اسی بناء پر غیر ملکی سیاح جب ہندوستان کے قدیم آثار کی سیر کے لئے آتے ہیں تو انہیں بنارس، سارناتھ، مگدھ، نالندہ، کھجراہو، اجنتا وغیرہ کی سرکاری و غیر سرکاری طور پر سیر کرائی جاتی ہے اور " اجودھیا " کو بالکل نظرانداز کردیا جاتا ہے،

اس لئے جب خود " اجودھیا " کا رام جنم بھومی ہونا تاریخی وتحقیقی شواہد سے غلط ہے تو اس میں واقع ایک مسجد کو تقریباً ساڑھے چارسو سال کے بعد متعین کرکے یہ کہنا کہ اسی جگہ رام جی پیدا ہوئے تھے، ایک من گھڑت افسانہ نہیں تو پھر کیا ہے

اس افسانہ کی ابتدا اور اسکے مقاصد

رام جی کے زمانہ سے تقریباً سوا چار ہزار سال کے بعد بابری مسجد اجودھیا کی تعمیر ہوئی اگر واقعتاً اس جگہ کوئی مندر ہوتا اور اس اہمیت کا جسے آج ظاہر کیا جارہا ہے کہ اس کے اوپر ملک کی سالمیت اور یگانگت کو قربان کرنے کا قصد کرلیا گیا ہے تو اس کا ذکر مذہبی اور تاریخی کتابوں میں ضرور ہوتا یا کم از کم محکمہ آثار قدیمہ کی جانب سے کھدائی کے موقع پر اس کے کچھ آثار ونشانات ہی ملتے لیکن اوپر کی سطور میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ " اجودھیا " کی آبادی کا وجود " رام جی " کے زمانے سے تقریباً اٹھارہ سو سال بعد ہوا ہے تو پھر " رام جی " کی وہاں پیدائش کیسے ہوسکتی ہے کہ ان کی پیدائش کی یادگار میں اس جگہ مندر بنایا جاتا ۔

دراصل " رام جنم استھان " کا یہ قضیہ انگریزوں کی منحوس ڈپلومیسی " لڑاؤ اور حکومت کرو " کی پیداوار ہے واجد علی شاہ کے ابتدائی دور میں انگریزوں نے اس افسانہ کے پلاٹ کو تیار کیا، وہ اسطرح کہ ایک بدھشٹ نجومی کو پہلے سے تیار کیا چنانچہ اس نے انگریزوں کی منشاء کے مطابق زائچہ کھینچ کر " جنم استھان " اور سیتارسوئی گھر کو " بابری مسجد " کے احاطہ کے اندر ہونا متعین کیا، پھر ہندو طبقہ کے بعض مفاد پرست افراد کو آمادہ کیا گیا کہ وہ ان دونوں مقامات کے حاصل کرنے کی کوشش کریں چونکہ " نواب واجد علی شاہ کا وزیر " نقی علی خان " شوت خور ہونے کے ساتھ انگریزوں کا وفادار تھا اس لئے اس نے بھی اس افسانے کے خاکے میں رنگ بھرنے کی خدمت انجام دی

اور "واجد علی شاہ" کو اس پر راضی کرلیا کہ حدودِ مسجد سے باہر لیکن اسکے احاطہ کے اندر "رام استھان" اور سیتا رسوئی گھر کے لئے جگہ دیدی جائے چنانچہ مسجد کے مسقف حصہ کے بالمقابل داہنی سمت احاطہ کی دیوار سے متصل سیتا رسوئی کیلئے اور صحن مسجد سے باہر بائیں اور پورب کی طرف "جنم استھان" کے طور پر ۲۱ فٹ لمبی اور ۱۷ فٹ چوڑی جگہ دیدی گئی جس پر ایک بالشت بلند چبوترہ بنانے کی اجازت تھی۔۔۔۔
اسی موقع پر مسجد کے صحن کو لوہے کی سلاخوں سے گھیر دیا گیا، جو اب تک بالکل کھلا ہوا تھا، یہ ہے سیتا رسوئی اور جنم استھان کی اصل حقیقت صحیح کہا ہے حافظِ شیرازی نے " چوں

چوں نہ یابند حقیقت درِ افسانہ زدند

جنم استھان کو جس دیو مالائی حیثیت سے ثابت کیا گیا تھا وہ عوام کو تو کسی حد تک متأثر کرسکتا تھا، لیکن پڑھا لکھا طبقہ اس پر مطمئن نہیں ہوسکتا تھا اس لئے اس دیو مالائی کاروائی کے ایک عرصہ بعد جب فیض آباد کا نیا گزیٹیر مرتب کیا گیا تو پہلی بار اس میں یہ افسانہ بھی ایجاد کر کے لکھا گیا کہ ۱۵۲۸ء میں "بابر" اجودھیا آیا اور ایک ہفتہ یہاں قیام کیا اس قدیم مندر رام جنم استھان کو ڈھا دیا اور اسی مقام پر ایک مسجد تعمیر کرائی جو اب تک "بابری مسجد" کے نام سے جانی جاتی ہے

حیرت ہے کہ حکومت اتر پردیش نے ۱۹۶۰ء میں ضلع فیض آباد کا جو گزیٹیر شائع کیا اسی میں اسی انگریزی افسانہ کو بغیر کسی تحقیق و تفتیش کے درج کر دیا، حکومت یوپی کا یہ رویہ بتا رہا ہے کہ ہماری حکومت ذہنی طور پر آج بھی انگریزوں کی غلام ہے جو آزاد قوم کے لئے انتہائی ننگ و عار کی بات ہے۔

اختلاف کا آغاز

بہرحال انگریزوں کی یہ چال کامیاب ہوگئی اور اجودھیا میں آباد ہندو مسلم دونوں فرقوں میں اس مسئلہ کو لے کر کشیدگی شروع ہوگئی چنانچہ سب سے پہلے ۱۸۸۵ء میں رگھوبیر داس نامی مہنت نے سب جج کی عدالت میں ایک دعویٰ دائر کیا کہ "جنم بھومی استھان پر کوئی عمارت نہیں ہے اور پوجاریوں کو جاڑا گرمی اور برسات میں تکلیف ہوتی ہے لہٰذا اس پر عمارت بنانے کی اجازت دی جائے اس نے اپنے دعویٰ میں

یہ بھی ظاہر کیا کہ مسلمانوں کے اعتراض پر ڈسٹرکٹ جج نے رام جنم بھومی چبوترہ پر عمارت تعمیر کرنے سے روک دیا ہے
سب جج ہری کشن پنڈت نے اس دعویٰ کو مسترد کردیا وہ اپنے فیصلے میں تفصیل بیان کرتے ہوئے
لکھتا ہے، اس احاطہ میں جس پھاٹک سے داخلہ ہوتا ہے اس پر لفظ اللہ کندہ ہے اس کے
فوراً بعد بائیں جانب چبوترہ ہے جس پر ہندوؤں کا قبضہ ہے اس چبوترہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ رام جنم
استھان ہے چبوترہ کے چاروں طرف مسجد کی دیوار ہے چبوترہ اور مسجد کے درمیان علیحدہ علیحدہ حدبندی
ہے، اگر اس چبوترہ پر مندر تعمیر ہوا اور اس میں گھنٹیاں اور سنکھ بجائے گئے اور مسلمانوں کا گذر ہوتا
رہا تو مستقبل میں بہت زیادہ خون خرابہ کا اندیشہ ہے اور ہزاروں جانیں تلف ہوسکتی ہیں اس لئے
مندر کی تعمیر کی اجازت دینے کا مطلب بلوا، قتل اور فساد کو دعوت دینا ہے اس لئے انصاف
کا تقاضا ہے کہ مندر تعمیر کرنے کی اجازت نہ دی جائے اس مقدمہ کے دعویٰ اور فیصلہ دونوں سے
واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جنم استھان کا چبوترہ مسجد سے باہر تھا۔

اس فیصلہ کے خلاف اپیل بھی ضلع مجسٹریٹ فیض آباد نے ۲۶ر مارچ ۱۸۸۵ء کو خارج کردی
دیکھئے سول اپیل ۲۷ ۱۸۸۶ء اگرچہ اس مقدمہ کے وقت سے دونوں فرقوں کے درمیان عملی طور پر
کشیدگی پیدا ہوگئی جو دن بدن بڑھتی رہی لیکن مسلمان معمول کے مطابق مسجد میں پنج وقتہ نماز پڑھتے
رہے چنانچہ تعمیر کے وقت یعنی ۹۳۵ھ / ۱۵۲۸ء سے ۲۲ر دسمبر ۱۹۴۹ء تک بغیر کسی رکاوٹ کے پنج وقتہ
باجماعت نماز ہوتی رہی اور مستقل طور پر اس مسجد کے مؤذن اور امام مغلیہ عہد سے برابر متعین
ہوتے رہے مسجد کے مصارف کے لئے مغلیہ عہد میں ساٹھ روپے سالانہ سرکاری خزانہ سے مقرر تھا
نوابان اودھ کے دور میں یہ رقم بڑھا کر تین سو دو روپئے تین آنہ ۶ پائی کردی گئی برٹش حکومت
نے بھی اس رقم کو جاری رکھا پھر بندوبست اول کے وقت رقم کی بجائے دو گاؤں "بھورن پور"
اور شولا پور، متصل اجودھیا بطور معافی............. دئیے گئے، جن کی آمدنی برابر
مسجد کے مصارف پر خرچ ہوتی رہی، چنانچہ رجسٹر زیر دفعہ ۳۰ میں اس وقت کے متولی،
جواد حسین ساکن موضع شہنواں ڈاکخانہ درشن نگر ضلع فیض آباد اور جائداد کی تفصیل،

عمارت مسجد بابری مع آراضی واقع موضع بھون پورا اورسولا پور تحصیل و ضلع فیض آباد درج ہے، پھر سنی وقف ایکٹ ۱۳ر۱۹۲۰ کے تحت چیف کمشنر وقف بورڈ نے معائنہ کرکے اس کا باقاعدہ رجسٹریشن بابری مسجد کی حیثیت سے کیا۔

غرضے کہ سنہ ۱۹۴۹ء تک تاریخی اور قانونی ہر اعتبار سے " بابری مسجد " بغیر کسی اختلاف اور نزاع کے مسجد کی حیثیت سے مسلمانوں کے قبضہ میں رہی اور مسلمان بغیر کسی مزاحمت اور روک ٹوک کے اس میں پنج وقتہ با جماعت نماز ادا کرتے تھے ۔

بابری مسجد میں مجرمانہ طور پر موری کی تنصیب

سنہ ۱۹۴۸-۴۹ء میں ملک کے اندر بالخصوص یوپی، دہلی، میوات ہریانہ، پنجاب وغیرہ صوبوں میں اس بڑے پیمانہ پر فرقہ وارانہ فسادات اور قتل و خون ریزی کے حادثات ہوئے کہ اس نے ملک کے سارے نظام کو کچھ دنوں کے لئے معطل کرکے رکھ دیا، اسی اتھل پتھل اور افراتفری کے زمانہ میں ۲۲ر۲۳ دسمبر سنہ ۱۹۴۹ء کی درمیانی رات میں ہنومان گڑھی کے مہنت " ابھے رام داس " نے ضلع مجسٹریٹ " کے، کے، نائر کی سازش اور اپنے چیلوں کی مدد سے مسجد کی دیوار پھاند کر مسجد میں گھس گئے اور مسجد کے درمیانی گنبد میں عین محراب کے اندر " رام کی مورتی " رکھدی صبح کو جب مسلمان فجر کی نماز پڑھنے گئے تو مورتی کو دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے اور اسی وقت مورتی کو نکالنے کا مطالبہ کیا، چنانچہ ۲۳ر کی صبح کو ڈیوٹی پر متعین پولیس " ماتو پرشاد " نے اس وقت کے تھانہ انچارج " شری رام دیو " کو جو تحریر رپورٹ درج کرائی اس میں لکھا ہے کہ " ابھے رام داس، شکل داس، سدرشن داس، اور پچاس ساٹھ آدمی نامعلوم نے مسجد میں مورتی استھاپت (نصب) کرکے مسجد کو ناپاک کردیا ہے جس سے نقض امن کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے اسی رپورٹ کی بنیاد پر سٹی مجسٹریٹ ضلع فیض آباد نے دفعہ ۱۴۵ کے تحت مسجد اور اس سے ملحق گنج شہیداں کو قرق کرلیا اور پریہ دت رام چیرمین میونسپل بورڈ فیض آباد کو ریسیور مقرر کرکے مسجد پر تالا ڈال دیا اور فریقین کے نام نوٹس جاری کردی کہ وہ اپنے اپنے دعویٰ کے سلسلے میں ثبوت پیش کریں ۔

اس انتہائی مجرمانہ اور غیر مذہبی حرکت پر پورے ملک کے مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی پھیل گئی چنانچہ جمعیۃ علماء کے اکابر حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی وغیرہ نے صورت حال کی نزاکت سے اس وقت کے وزیر اعظم آنجہانی جواہر لال نہرو" کو مطلع کیا پنڈت جواہر لال جی نے اس وقت کے وزیر اعلیٰ اتر پردیش شری پنتھ کو لکھا کہ وہ ضلع مجسٹریٹ کو حکم دیں کہ مسجد سے مورتی فوراً نکال دی جائے چنانچہ پنتھ نے وزیر اعظم کے حکم کے مطابق ضلع مجسٹریٹ کو یہ آرڈر بھیج دیا چونکہ ضلع مجسٹریٹ اس سازش میں خود ملوث تھا اس لئے اس آرڈر پر عمل کرنے کے بجائے اس نے ابھے رام داس وغیرہ کو نئی صورت حال کی اطلاع دیدی اور ان سے کہا کہ میں اس آرڈر کے نفاذ میں کچھ .... تاخیر کر دونگا تم لوگ اس درمیان میں عدالت سے اسٹے حاصل کر لو ان لوگوں نے اسکے کہنے مطابق اس حکم کے خلاف عدالت سے اسٹے حاصل کر لیا اس طرح مورتی مسجد سے ہٹائی نہ جا سکی، چنانچہ ضلع مجسٹریٹ ،کے ،کے نائر نے پنتھ جی نے اسی بنیاد پر استعفا لے لیا، لیکن اس کے بعد پنتھ جی نے اس معاملہ میں دلچسپی نہیں لی اور مورتی اسی جگہ باقی رہی۔

مقدمات کا سلسلہ | مسجد میں مورتی کو غیر قانونی طور پر رکھنے کے تقریباً ۲۳ - ۲۴ دن بعد ۱۶ جنوری ۱۹۵۰ء کو ہندو فرقہ کے ایک شخص گوپال سنگھ نامی کی طرف سے ظہور احمد، حاجی محمد فائق، حاجی پھیکو، احمد حسین عرف اچھن، محمد سمیع، ڈی ایم، سٹی مجسٹریٹ، اور سرکار اتر پردیش کو پارٹی بنا کر یہ دعوی دائر کیا گیا کہ یہ جنم بھومی ہے ہم یہاں پوجا پاٹ کرتے ہیں مسلمانوں اور ضلع انتظامیہ نے اس میں رکاوٹ ڈالدی ہے لہذا اس رکاوٹ کو ختم کر کے ہمیں پوجا پارٹ کی اجازت دی جائے یاد رہے کہ ۱۸۸۵ء کے دعوی میں جو رگھو ناتھ داس کی طرف سے دائر کیا گیا تھا، اس میں مسجد کے باہر چبوترہ کو جنم استھان بتایا گیا تھا اور اسی پر عمارت بنانے کی اجازت چاہی گئی تھی اور اس دعوی میں جو نظری نقشہ پیش کیا گیا تھا اس میں مسجد کو "بابری مسجد" ہی کی حیثیت سے دکھایا گیا تھا۔

یکم جولائی ۱۹۵۰ء کو ڈپٹی کمشنر فیض آباد نے عدالت میں جواب دعویٰ داخل کرتے ہوئے اپنے بیان کے پیرا گراف میں ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، اور ۱۸ میں لکھا ہے۔

یہ جائداد نزاعی "بابری مسجد" کے نام سے مشہور ہے اور لمبے عرصے سے مسجد کے طور پر مسلمانوں کے ذریعہ عبادت کیلئے استعمال ہوتی چلی آرہی ہے اسکا استعمال رام چندر جی کے مندر کے طور پر کبھی نہیں ہوا ۲۲ر دسمبر ۱۹۴۹ء کی رات میں رام چندر جی کی مورتی کو چوری اور غلط ڈھنگ سے مسجد کے اندر رکھ دیا گیا۔ اس غلط اور غیر قانونی واقعہ سے مسلمانوں میں کافی بےچینی پیدا ہوگئی اور علاقے میں نقض امن کا خطرہ پیدا ہوگیا اس لئے سٹی مجسٹریٹ گرودت سنگھ نے ۲۳ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو دفعہ ۱۴۴ نافذ کردی اور اسی تاریخ کو ایڈیشنل مجسٹریٹ "شری مارکھنڈے سنگھ نے دفعہ ۱۴۵ کے تحت اس مسجد کو قرق کرکے رسیور مقرر کردیا۔

ڈپٹی کمشنر کے جواب دعویٰ سے ایک ماہ پہلے یعنی یکم جون ۱۹۵۰ء کو ایس، پی ضلع فیض آباد کرپال سنگھ نے بھی جواب دعویٰ داخل کیا تھا جس میں لکھا تھا کہ۔

"یہ زمانۂ قدیم سے "بابری مسجد" ہے اور اس میں ہمیشہ سے مسلمان نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں ہندوؤں کا اس سے کوئی واسطہ اور سروکار نہیں ہے"۔

اس مقدمہ کے بعد ہندوؤں کی جانب سے دو مقدمات اور دائر کئے گئے ایک پریم ہنس رام چندر داس کی جانب سے اور دوسرا نرموہی اکھاڑا کی طرف سے، اس کے بعد ۱۹۶۱ء میں یوپی سنٹرل وقف بورڈ اور مسلمانوں کی جانب سے ایک مقدمہ دائر ہوا جس میں جمعیۃ علماء کی طرف سے مولانا نصیر احمد صاحب فیض آبادی بھی مدعی تھے، اس دعویٰ میں کہا گیا تھا کہ یہ "بابری مسجد" مسلمانوں کی مسجد ہے جس میں وہ ۱۵۲۸ء سے برابر عبادت کرتے چلے آرہے ہیں یہ مسجد انکو واپس دیجائے اور نماز میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے۔

اب تک ان تمام مقدموں کی فائل الگ الگ تھیں بغرض سہولت عدالت کے حکم سے انہیں یکجا کردیا گیا اور سنی سنٹرل وقف بورڈ کے مقدمہ ۱۲/۶۱ کو رہنما کیس قرار دیدیا گیا۔

اسی اثناء میں رسیور پریہ دت کا انتقال ہوگیا، تو عدالت نے انکی جگہ شری کے کے رام ورما "

آنریری مجسٹریٹ کو ریسیور مقرر کیا اسی درمیان مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ مسجد میں تبدیلی کی جارہی ہے اسلئے انہوں نے رام ورما کو ریسیور کے عہدہ سے الگ کرنے کی درخواست دی مسلمانوں کی شکایت کو صحیح مانتے ہوئے سول جج نے رام ورما کو ریسیور کے عہدہ سے ہٹانے کا حکم دیدیا اس حکم کے خلاف ہندوؤں نے ہائی کورٹ لکھنؤ بنچ میں "ریویژن" دائر کرکے اسٹے لے لیا اس موقع پر رہنما کیس اور جملہ مقدمات کی فائل ہائی کورٹ میں طلب کرلی گئی اور فیض آباد میں تمام مقدمات رک گئے اور تقریباً پندرہ سال کی طویل مدت گذر گئی مگر فیض آباد کی عدالت میں اس مقدمہ کے سلسلے میں کوئی کارروائی عمل میں نہیں آئی حالانکہ اس مدت میں مسلمانوں کی جانب سے بار بار درخواست پیش کی گئی کہ اس کا فیصلہ جلد کردیا جائے اور ہائی کورٹ کی طرف سے بھی عدالت فیض آباد کو ہدایت دی گئی کہ اس مقدمہ کا جلد فیصلہ کردیا جائے مگر اسکا کوئی اثر نہیں لیا گیا۔

دوران مقدمہ خلاف قانون مسجد میں تبدیلیاں

گذشتہ سطور میں معلوم ہوچکا ہے کہ "بابری مسجد" کے چاروں سمت چہار دیواری ہے، مسجد کا صدر دروازہ اتری سمت ہے اس دروازے پر موٹے خط میں لفظ اللہ کندہ تھا مگر ریسیور اور پولیس کی نگرانی کے ہوتے ہوئے اسے کھرچ کر مٹا دیا گیا! اور دروازے پر "جنم استھان مندر" کا ایک بورڈ لگا دیا گیا، احاطہ کی اتری چہار دیواری اور صحن مسجد کے درمیانی خالی جگہ پر سفید و سیاہ سنگ مرمر کا فرش بنالیا گیا ہے جسے "پیری کرما" (مطاف) کا نام دیا گیا ہے، صحن مسجد میں اتری جانب ہینڈ پائپ گاڑلیا گیا ہے، صحن مسجد سے باہر پوربی سمت ایک سفالہ پوس مندر تعمیر کرلیا گیا ہے، اسی کے متصل مہنتوں کی قیام گاہ بھی بنالی گئی ہے، دکھن سمت اس چبوترہ پر جسے شروع میں رام جنم استھان کا نام دیا گیا ہے، مندر تعمیر کرلیا گیا ہے اور اسی کے متصل دو مندر اور بھی بنالئے گئے ہیں، مسجد کے درمیانی گنبد پر ایک جھنڈا لگا دیا گیا ہے، یہ ساری تبدیلیاں ۱۹۶۷ء سے ۱۹۸۶ء کی درمیانی مدت میں کی گئی ہیں جبکہ ریسیور کا تقرر قانونی طور پر اسلئے ہوتا ہے کہ متنازع عمارت میں فریقین کی جانب سے کوئی ترمیم و اضافہ نہ کیا جاسکے لیکن یہ تمام تبدیلیاں ہوتی رہیں نہ مقرر ریسیور رام ورما نے اس کا کوئی نوٹس لیا اور نہ وہاں متعین نگراں پولیس نے اسلئے کہ جذباتی طور پر یہ سب لوگ ان غیر قانونی تبدیلیوں میں باہم شریک کار تھے۔

مسجد مندر بنادی گئی | ہائی کورٹ بنچ لکھنؤ میں ریسیور ورما کے سلسلہ میں داخل رٹ زیر سماعت ہے اور قانونی طور پر ابھی اسکے خلاف اپیل نہیں کی جاسکتی لیکن ۲۵ جنوری ۱۹۸۶ رمیش چندر پانڈے نامی ایک غیر متعلق شخص نے جو ابتک کے کسی مقدمہ میں فریق نہیں ہے منصف صدر فیض آباد کی عدالت میں مقدمہ ۲ ۱۹۵۰ء میں ایک نئی درخواست دی کہ جنم استھان میں پوجا پاٹ کرنیکی چھوٹ ہونی چاہئے لہذا عدالت ضلع انتظامیہ کو حکم دے کہ جنم بھومی یا بابری مسجد کا تالا کھول دے تاکہ ہم اور ہندو لوگ بغیر کسی روک ٹوک کے پوجا کرسکیں اسپر منصف صدر نے...... یہ کہتے ہوئے درخواست خارج کردی کہ اس مقدمہ کی اہم فائل ہائی کورٹ میں زیر سماعت ہے اسلئے اس درخواست پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اس فیصلہ کے خلاف ڈسٹرکٹ جج مسٹر کے ، ایم پانڈے کی عدالت میں سول اپیل نمبر ۶ ۱۹۸۲ء ۳۰ جنوری کو داخل کی گئی اور ۳۱ جنوری کو دیوانی کے سرکاری وکیل نرائن دت مکرای پیش ہو گئے ضلع مجسٹریٹ نے ڈی ، ایم اور ایس ، پی کا بیان لینا چاہا چنانچہ یکم فروری ۸۶ء کو یہ دونوں حکام بھی حاضر ہو گئے جن سے ضلع مجسٹریٹ نے سوال کیا کہ اگر مسجد یا جنم بھومی کا تالا کھول دیا جائے تو کیا آپ لاءاینڈ آرڈر بحال کرسکیں گے جس پر انہوں نے کہا کہ یہ ہماری ڈیوٹی ہے اور ہم اسے پورا کرنے کی کوشش کرینگے چنانچہ اس فرضی کاروائی کے بعد اسی دن یعنی سنیچر کو پونے پانچ بجے جج نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ ضلع انتظامیہ اس جگہ کا تالا کھول دے اور رمیش چندر پانڈے اور دیگر ہندوؤں کو پوجا پاٹ کرنے کی کھلی چھوٹ دی جائے اسمیں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ پیدا نہ کی جائے نیز ضلع انتظامیہ لاءاینڈ آرڈر بحال رکھنے کیلئے مناسب کاروائی عمل میں لائے ۔

مسلمانوں کی طرف سے اس مقدمہ کے سلسلے میں تین درخواستیں دی گئیں لیکن جج نے یہ کہتے ہوئے کہ معاملہ ضلع انتظامیہ سے متعلق ہے اسمیں مسلمانوں کو فریق بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ، تینوں درخواستیں رد کردیں ۔ اور فیصلہ کے فوراً بعد ۵ بجکر ۱۹ منٹ پر بابری مسجد کا دروازہ کھول دیا گیا اور ہزاروں ہندو پوجا پاٹ کیلئے اسی وقت مسجد میں پہنچ گئے اس طرح سے ۴۵۸ سال کی قدیم مسجد بیک جنبش قلم مندر میں تبدیل کردی گئی

انا للہ وانا الیہ راجعون ۞

اس مقدمہ کا یہ پہلو کس قدر ڈرامائی ہے کہ اس میں مدعی رمیش پانڈے ، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اندر کمار

پانڈے، ڈسٹرکٹ جج کے، ایم پانڈے اور وکیل ویرشیور دودیدی سب کے سب پنڈت برادری سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے اسمیں جو فیصلہ ہونا تھا وہ پہلے ہی سے ظاہر تھا۔

اسی کا شہر وہی مدعی، وہی منصف　　ہمیں یقین تھا ہمارا قصور نکلے گا

فیصلہ پر ایک نظر

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مقدمہ کا فیصلہ پونے پانچ بجے ہوتا ہے لیکن اجودھیا اور فیض آباد میں پی، اے، سی اضافی طور پر دن کے دو بجے ہی لگا دی گئی اور مسلمانوں کے محلوں میں انکا زبردست گشت شروع ہوگیا اور فیصلے سے پہلے ہی عدالت کو پولیس اور پی، اے سی نے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

فیصلہ سے قبل یہ تیاریاں صاف بتلا رہی ہیں کہ جو کچھ ہوا وہ پہلے سے طے شدہ اسکیم کے تحت ہوا ہے، یہ بات بھی کم حیرت کی نہیں ہے کہ صرف پانچ دن کے اندر منصف عدالت سے لیکر ضلع جج کی عدالت تک مقدمہ کی ساری کاروائی عمل میں آگئی اور فیصلہ بھی کر دیا گیا ہندوستان کی عدالتوں میں کیا مقدمات اتنی ہی سرعت کے ساتھ نمٹائے جاتے ہیں، کیا ہندوستانی عدلیہ اس کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟

پھر جو مقدمہ ہائی کورٹ میں زیر سماعت ہو اس کی اپیل اور وہ بھی ماتحت عدالت میں کس قانونی دفعہ کے تحت کی گئی ہے۔؟

کیا کسی مقدمہ میں فریق ثانی کو نوٹس دیئے بغیر فیصلہ کر دینا قانونی رو سے درست کہا جا سکتا ہے؟

آخری بات

اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ اسلام اور مسلمانوں پر اس طرح کے بلکہ اس سے بھی سنگین تر حالات پیش آئے ہیں لیکن مسلمانوں نے اپنے استقلال و استقامت، صبر و تحمل اور حکمت و جرأت سے ہر موقع پر حالات کے رخ کو موڑ دیا ہے اس لئے آج بھی ہمیں تاریخ سے سبق لینا چاہیئے غم و غصہ، مایوسی و نامرادی، جھنجلاہٹ اور چیخ و پکار کے بجائے صبر و استقامت اور جرأت سے خدا کے سہارے آگے بڑھنا چاہیئے ظلم و جبر کی کشتی زیادہ دنوں تک نہیں چلتی، کامیابی و کامرانی ہمیشہ حق و انصاف کے قدم چومتی ہے۔

:- وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین :-

مولانا مفتی نظام الدین
مفتی، دارالعلوم دیوبند

مسلم پرسنل لاء
تاریخ کے مختلف مرحلوں میں

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی من انزل الیہ تکریماً لہ ولامتہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا وعلی آلہ وصحبہ واتباعہ الصادقین اجمعین :-

وبعد ــــ عنوان بالا کا مفہوم اور اس کی لفظی تشریح پہلے سمجھ لینا چاہیئے لا کے معنی ہیں مطلق قانون جس کی اتباع اور پابندی سے زندگی اچھی گذرے، یعنی پاکیزہ حیات حاصل ہو، اور پرسنل کے معنی نجی اور شخصی کے ہیں، پس پرسنل لا کے معنی ہوا ایسے نجی اور شخصی قوانین جس کی اتباع اور پابندی سے اچھی زندگی حاصل ہو، یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے (شخصی و نجی قانون حیات) اور مسلم پرسنل لا کے معنی ہوئے مسلمانوں کے شخصی و نجی قوانین حیات ــ یعنی مسلمانوں کے ایسے شخصی و نجی

قوانین کا مجموعہ جس پر عمل کرنے سے مسلمان بحیثیت مسلمان زندہ رہے ۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سے ایسے قوانین ہیں جن کے مجموعے پر عمل کرنے سے مسلمان زندہ رہے، سو گذارش ہے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ نے نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین کا لقب دے کر اور . . . .

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين . (پ ۱۷ س انبیاء ع ۷)۔

ترجمہ :۔ اور ہم نے آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں پر مہربانی کرنے کے لئے ۔۔ ۱۲

کے خطاب سے نواز کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ایسا کامل ومکمل ضابطہ حیات نازل فرمادیا کہ اس پر عمل کرنے سے سارا عالم نہایت روشن خوش وخرم ومطمئن زندگی گذار سکتا ہے، اس کی شہادت یہ آیت بھی دیتی ہے فرمایا گیا :۔

من عمل صالحا من ذكر او انثى وهو مومن فلنحيينه حيوة طيبة ولنجزينهم اجرهم باحسن ماكانوا يعلمون . (پ ۱۴ س النحل ع ۱۳)

ترجمہ :۔ جو شخص کوئی نیک کام کریگا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دینگے اور ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے ۔۔ ۱۲

اور اس ضابطہ حیات پر عمل کرنا واجب اور ضروری قرار دیا گیا اور اس کے خلاف کرنے سے ممانعت فرما دی گئی چنانچہ فرمایا گیا ۔

① اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتى ورضيت لكم الاسلام دينا :۔ (پ ٦ س مائدہ ع ۱)

ترجمہ :۔ آج کے دن تمہارے دین کو میں نے کامل کردیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کردیا اور میں نے اسلام کو تمہارے دین بننے کے لئے پسند کرلیا ۔۔ ۱۲

۵ لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنہاجا (پ ۶، س مائدۃ، ع ۷)

ترجمہ :۔ تم میں سے ہرایک کے لئے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی

۳ شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسٰی وعیسٰی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ (پ ۲۵، س شوریٰ) (پ ۲۵، س شوریٰ، ع ۱)

ترجمہ :۔ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا، اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جسکا ہم نے ابراہیم اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا ــــ ۱۲

⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘

۴ ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعہا ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون۔ (پ ۲۵، س جاثیہ ع ۲)

ترجمہ :۔ پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کردیا سو آپ اسی طریقہ پر چلے جائیے اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلیے ــــ ۱۲

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالےٰ نے خود ایسا کامل ومکمل قانون وضابطہ حیات نازل فرمایا ہے کہ جس پر عمل کر لینے سے سارا عالم نہایت خوش گوارا ور خوش آمیز زندگی گذار سکتا ہے، اور کسی کو کسی سے ایذاء وتکلیف نہ پہونچے گی، نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کامل ومکمل ضابطہ حیات پر عمل کا طریقہ کار اور منہاج عمل بھی نازل فرمایا گیا کما فی قولہ تعالیٰ :

ولکل جعلنا منکم شرعۃ ومنہاجا (پ ۶، س مائدۃ، ع ۷)۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس کامل ومکمل نصاب حیات کی مخالفت کرنا اور اس پر عمل کو ترک کرنا بھی درست نہیں، نیز اشارۃً یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ کامل ومکمل ضابطہ حیات

انسانی آفرینش کی ابتدا ہی سے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یہی طریقہ کار رہا ہے، چنانچہ قرآن کریم کی بہت سی آیات اس مضمون پر مشتمل ہیں، مثلاً فرمایا گیا۔

قلنا اھبطوا منھا جمیعاً فاما یاتینکم منی ھدیً فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ (پ ۱، س بقرہ، ع ۴)

ترجمہ: ہم نے حکم فرمایا نیچے جاؤ اس بہشت سے سب کے سب، پھر اگر آوے تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت، سو جو شخص پیروی کریگا میری اس ہدایت کی تو نہ تو کچھ اندیشہ ہوگا اس پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہونگے۔

✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤

اس آیت کریمہ کا صریح مفہوم یہ ہے کہ عالم ازل ہی میں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مع ان کی تمام اولاد کے دنیا میں رہنے کا حکم دیا تو ان تمام کی ہدایت و رہبری کے لئے اپنی طرف سے ہدایت بھی نازل فرمائیں، اور پھر فرمادیا کہ تمہارے پاس میری ہدایات و طریقہ عمل (بذریعہ انبیاء) پہونچے گی، پس جو لوگ میری ہدایت کے مطابق عمل کریں گے کوئی خوف و ہراس ان کے پاس نہ پہونچے گا، اور نہ وہ لوگ غمگین ہی ہوں گے۔

غرض مذکورہ بالا آیت کا واضح اشارہ اس طرف بھی ہوگیا کہ ہر زمانہ میں اسکے حالات کے مطابق اس زمانہ کے نبی کے ذریعہ ایک ضابطۂ عمل ایک شریعت نازل ہوتی رہے گی جیساکہ شرع لکم من الدین الخ کے اشارہ سے بھی معلوم ہوتا ہے اور پھر اس ضابطہ حیات کو اللہ تعالیٰ نے خود قیامت تک کے واسطے مکمل کرکے اس پر مہر ثبت کردی اور اس کو نبی آخرالزماں خاتم الانبیاء احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرما کر یہ فرمادیا کہ اب قیامت تک کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ محض اسی دین (اور اسی ضابطہ حیات) پر عمل سے راضی رہیں گے اور

اب کسی دین کے اتباع کی اجازت نہیں، چنانچہ فرما دیا گیا۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه۔ (پ ۳، س آل عمران، ع ۹)	ترجمہ: اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ اس سے مقبول نہ ہوگا ۔۔۔ ۱۲

ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم کر لینا چاہیئے کہ تمام انسانوں کے تمام ہی حالات (پیدائش سے لیکر موت تک بلکہ پیدائش و موت کے درمیانی وقفہ کے حالات اور پیدائش سے قبل اور موت کے بعد کے حالات بلکہ تمام جزئیات مخفیہ وظاہریہ کے حالات) کے احکام اس مکمل ضابطہ حیات (شریعت مطہرہ) میں منضبط و محفوظ ہیں، اور ان تمام احکامات پر عمل کا مطالبہ ہے۔

کوتاہیٔ عمل پر مؤاخذہ وسزا کا اور درستگیٔ عمل پر اجر و ثواب کا مرتب ہونا بھی سب منضبط و محفوظ ہے، کسی حال میں انسان بیکار نہیں چھوڑا گیا کما قال تعالیٰ۔

ایحسب الانسان ان یترك سدی۔ (پ ۲۹، س القیامۃ ع ۲)	ترجمہ: کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا ۔۔۔ ۱۲

صدہا آیات و نصوص اس پر صراحتاً دال ہیں، یہاں محض چند ہی نقل کی جاتی ہیں۔ مثلاً

(۱) للّٰه ما فی السموات وما فی الارض وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوه یحاسبکم به اللّٰه (پ ۳ س بقرة ع ۴۰)	ترجمہ: اللہ ہی کے لئے وہ تمام چیزیں ہیں، جو آسمان و زمین میں ہیں، اور جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کروگے یا کہ پوشیدہ رکھوگے حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے ۔۔۔ ۱۲

✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣

(۲) فمن یعمل مثقال ذرة	ترجمہ: جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا

خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ. (پ ۳۰، س زلزال ع ۲۴) | وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔۱۲

(۳) کل نفس بما کسبت رھینۃ. (پ ۲۹، س المدثر ع ۲) | ترجمہ: ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں محبوس ہوگا ـــ ۱۲

(۴) خلق الموت و الحیٰوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا. (پ ۲۹، س ملک، ع ۱) | ترجمہ: جس نے موت وحیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے۔

(۵) اسروا قولکم او اجھروا بہ انہ علیم بذات الصدور الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر. پ ۲۹، س ملک، ع ۱) | ترجمہ: اور تم لوگ خواہ چھپاکر بات کہو یا پکار کر کہو وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب آگاہ ہے، کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے، اور وہ باریک بیں اور بڑا باخبر ہے ـــ ۱۲

(۶) فانہ یعلم السر واخفٰی. (پ ۱۶، س طہ، ع ۱) | ترجمہ: تو وہ چپ کے سے کہی ہوئی بات کو اور اس سے زیادہ خفی بات کو جانتا ہے ـــ ۱۲

خلاصہ کلام یہ کہ مسلمانوں کو پوری شریعت پر عمل کرنا لازم ہے، مسلمان اسی شریعت پر عمل کرنے سے بحیثیت مسلمان زندہ رہیں گے، اور شریعت مطہرہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کا مجموعہ ہے اور اس میں کسی انسان کو کسی تغییر و تبدیل کی و بیشی کرنے کا حق نہیں ہے، قرآن پاک میں منصوص ہے۔

قال تعالیٰ . . .

وماکان لمومن ولا مومنۃ | ترجمہ: اور کسی ایماندار مرد اور کسی

اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ا٥ یکون لہم الخیرۃ من امرہم ط و من یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناہ (پ۲۲، س احزاب ع ۵)

ایماندار عورت کو گنجائش نہیں جبکہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں کہ ان کو ان کے اس کام میں کوئی اختیار رہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔۱۲

اور حدیث پاک میں بھی یہ حکم موجود ہے مثلاً ..

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بہما اوکما قال علیہ السلام۔

ترجمہ: رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ دی ہیں جب تک تم ان دونوں کو پکڑے رہوگے ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فہو رد (رواہ الشیخان فی صحیحہ) و فی روایۃ فہو مردود۔

ترجمہ: رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی چیز پیدا کریگا وہ مردود اور غیر مقبول ہوگی۔

ان آیات واحادیث سے واضح ہوگیا کہ مسلمان بحیثیت مسلمان زندہ رہیگا پوری شریعت مطہرہ پر عمل کرنے سے لہذا مسلمان کا پرسنل لاء (مسلم پرسنل لاء) یہی پوری شریعت ہے بغیر کسی کمی بیشی کے اور اس میں کوئی تغیر و تبدل یا کوئی کمی یا بیشی سب گمراہی و ضلالت ہے۔

رہا یہ سوال کہ پھر صرف چند معاملات واحکام کو ہی مسلم پرسنل لاء کیوں

اور کس طرح شمار کیا جانے لگا تو جواب یہ ہے کہ یہ سب ہندوستان میں برطانیہ کی لائی ہوئی حرکتوں کا اور ان کی سیاسی سازشوں کا کرشمہ اور نتیجہ ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جب انگریز کامیاب ہوگئے تو پھر جنگ آزادی لڑنے والے تمام لوگوں پر بلا امتیاز مسلم و غیر مسلم بڑے سخت سخت مظالم ڈھائے، ہزاروں مسلم و غیر مسلم کا قتل عام ہوا، خاص کر مسلمانوں پر اس لئے کہ یہ حکومت مغلوں سے لیا تھا، جو مسلم حکومت کہی جاتی تھی اس لئے مسلمانوں کو بہت زیادہ ذبح کیا اور ہراساں و سراسیمہ کیا چنانچہ سیکڑوں چوٹی کے علماء و مشائخ کو تختہ دار پر علی الاعلان لٹکایا اور سیکڑوں کو حبس دوام کی نذر کردیا اور سیکڑوں کو جزیرہ انڈمان ہمیشہ کے لئے بھیج دیا ان تمام قتل عام و مظالم کے باوجود انگریز مطمئن نہیں تھے، ہر وقت ان کو یہ خطرہ لاحق رہا کہ ہمارے ان مظالم کا پھوڑہ کہیں پھوٹ نہ پڑے۔

اس خطرہ کی کئی وجوہ تھیں، ایک وجہ تو یہی تھی کہ پورے ہندوستان میں مسلم و غیر مسلم اور سب میں پورا اتفاق اور کامل یگانگت تھی اور سب بے انتہا ستائے جاچکے تھے،

دوسری وجہ یہی کہ وہ سمجھتے تھے کہ جس طرح کوئی قوم اپنی زبان و قانون کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح بغیر زبان و قانون کے کوئی حکومت مستحکم نہیں ہو سکتی، اپنی زبان لانے کا معاملہ تو دیر طلب تھا، ہی اپنا قانون بھی فوری لانا دشوار تھا، اس لئے کہ یہ حکومت انگریزوں نے مغلوں سے لی تھی اور اس وقت اسلامی قانون پوری مملکت میں نافذ تھا اور مسلم و غیر مسلم سب پورے اتفاق و یگانگت کے ساتھ سکھ اور چین کی زندگی بسر کر رہے تھے، انگریز اس کو خوب سمجھ رہے تھے اور خطرہ محسوس کر رہے تھے، کہ اگر ابھی اسلامی قانون میں

کوئی دراڑ ڈالی جائے گی تو وہ پھوڑہ پھر پھوٹ پڑے گا جس کی سدھار دشوار ہو جائے گی، اور اس کا مشاہدہ ہم کر چکے ہیں۔

اور تیسری وجہ یہ تھی کہ مسلمان گرچہ بے حد سراسیمہ و ہراساں ہو چکا ہے لیکن اسلامی قانون (شریعت مقدسہ) ان کا دین وایمان ہے، یہی ان کا ضابطۂ حیات ہے، مسلمان اسی شریعت (اسلامی قانون) کو اپنا عام مذہبی وملکی قانون بھی سمجھتے ہیں اپنا نجی وشخصی قانون (پرسنل لار) بھی سمجھتے ہیں اگر اس کو فوری طور پر تبدیل یا نسخ کر دیا گیا تو مسلمان اس کو برداشت نہ کر سکے گا، اور اپنی اسی مسلم و غیر مسلم یگانگت واتفاق کی قوت سے آمادۂ پیکار ہو جائے گا، انگریز اس چیز کو خوب سمجھتا تھا، اس لئے فوری طور پر اسلامی قانون کو ختم تو نہیں کیا لیکن اسکی تخریب کی فکر میں لگ گئے، اور اپنے قدیم اصول وفار مولا (لڑا ؤ اور حکومت کرو) کے مطابق عمل کرنا شروع کر دیا، کہ پہلے مسلم و غیر مسلم کے درمیان تفریق واختلاف کا بیج بویا، اور آہستہ آہستہ تفریق واختلاف کا پودا اگایا اور اس کو تنا ور درخت بنانے لگے، اور بظاہر اسلامی قانون نافذ رہا مگر آہستہ آہستہ اس کی روح حدود قصاص اور بہت سی اسلامی سزائیں موقوف کر دیں، اور یہ چیز اسلامی قانون میں جو مسلم لا بھی ہے اور مسلم پرسنل لا بھی ہے، پہلا دور و مرحلہ تغیر و تبدل کا ہے اور پھر ہندو مسلم اختلاف کو طرح طرح سے ہوا دے کر درمیان میں وسیع خلیج پیدا کی جانے لگی اور سات ہی آٹھ سال میں ۱۸۶۷ء کے لگ بھگ اس اختلافی خلیج کو وسیع کر کے ملک میں دو عدالتیں (مسلم عدالتیں اور غیر مسلم عدالتیں) قائم کر دی گئیں اور نہایت مرصع سبز باغ دکھایا گیا، کہ مسلمان اپنے معاملات مسلم عدالتوں میں لے جائیں اور غیر مسلم اپنے معاملات غیر مسلم عدالتوں میں لے جائیں، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اس سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں خوب اختلاف پیدا ہو جائے، چنانچہ اختلاف پیدا ہو بھی گیا، کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ بہت سے معاملات

جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان میں واقع ہونگے اور ان کے بارے میں قدرۃً مسلمان چاہے گا کہ مسلم عدالت میں جائیں اور غیر مسلم چاہے گا کہ غیر مسلم عدالت میں جائیں، چنانچہ ایسے واقعات ہوئے اور دونوں میں شدید اختلاف پیدا ہونے لگے اور انگریز اس ترکیب میں کامیاب ہوگیا، اور اختلاف کی وجہ سے ہندو اور مسلمان دونوں میں ضعف آگیا اور یہ دوسرا تغیر مسلم لا اور مسلم پرسنل لار میں ہوا، اس کو مسلم پرسنل لا کے دور کا دوسرا مرحلہ بھی کہہ سکتے ہیں، اور پھر مسلم عدالتوں میں جو قانون نافذ کیا گیا اس کو اسلامی، قانون کہتے ہوئے اس کا نام محمڈن لار رکھا گیا حالانکہ اسلامی قانون کو محمڈن لار کہنا ہی غلط ہے کیونکہ محمدن لا کے معنیٰ ہیں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے بنائے ہوئے قوانین، اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے، اس لئے کہ اسلامی قوانین حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بنائے ہوئے نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ اور آسمانی قوانین ہیں، اس لئے اسلامی قوانین کو محمڈن لار کہنا کھلی تحریف اور غیر صحیح ہے اور عیسائیوں کی ایک چال ہے، اور یہ مسلم پرسنل لار کا تیسرا مرحلہ ہے، ۔

ایک تحریف تو یہ کی دوسری تحریف یہ کی کہ اسلامی قانون کو محمڈن لار میں بعینہٖ نہیں رکھا بلکہ اس میں بہت کچھ تغیر و تبدل کر کے رکھا، اور مسلمانوں نے اس میں شور بھی مچایا مگر ان کی آواز صدا بصحرا رہ گئی، اور اسی ضعف اختلاف کی وجہ سے مسلمان کچھ نہ کر سکے یہ چوتھا تغیر مسلم لار اور مسلم پرسنل لار میں ہوا، جو چوتھا مرحلہ بھی کہا جا سکتا ہے ۔

اس کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلاف اور ضعف پیدا کر لینے کے بعد کچھ افراد مسلمانوں میں سے اور کچھ افراد غیر مسلموں میں سے اپنا ہمنوا بنا لینے کے بعد ۱۸۶۷ء میں اپنا قانون بنانے کی اسکیم پاس کر لی، اور تقریباً ۱۸۷۰ء میں نیا قانون (تعزیرات ہند) کے نام سے مرتب ہوگیا، اور مسلمانوں کو بہلانے اور پھسلانے کے لئے نام نہاد اسلامی قانون (محمڈن لار) میں سے بھی تغیر و تبدل کر کے اور بہت سے معاملات حذف کر کے

صرف چند معاملات جیسے نکاح طلاق فسخ نکاح و خلع وغیرہ تقریباً دس بارہ معاملات کو مسلم پرسنل لار کے نام پر کرکے تعزیرات ہند میں شامل کیا گیا۔

یہ مسلم لار و مسلم پرسنل لار میں پانچواں تغیر تھا، اور اس مرحلہ میں مسلم پرسنل لار کا یعنی مسلمانوں کا نجی اور شخصی قانون کا عنوان کھل کر سامنے آگیا، اس پر مسلمانوں نے نوٹس لیا، مگر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ اثر یہ ہوا کہ ۱۸۸۰ء میں الگ الگ عدالتیں ختم کرکے مسلم و غیر مسلم سب کے لئے ایک ہی مشترکہ عدالتیں قائم کردی گئیں اور حاکموں کے انتخاب و تقرر میں اپنے بنائے ہوئے قانون (تعزیرات ہند) کے مطابق مسلم و غیر مسلم حکام مشترکہ طور پر مقرر کئے جانے لگے، یہ اسلامی قانون (مسلم لار) میں چھٹا تغیر ہوا اور کھل کر ہوا، اس کو چھٹا مرحلہ کہہ سکتے ہیں۔

چونکہ مسلمانوں کے بہت سے مسائل میں مسلم حاکم کا فیصلہ کرنا ضروری تھا اس لئے مسلمانوں نے اس پر زوردار مخالفت کی اور شریعت ایکٹ کا مطالبہ کیا، تو مسلمانوں کا منہ بند کرنے کے لئے شریعت ایکٹ کے بجائے قاضی ایکٹ بنا اور جابجا شرعی قاضی مقرر کردیئے گئے، پھر چند ہی سال بعد تقریباً ۱۸۸۷ء میں قاضی ایکٹ منسوخ کرکے مسلم پرسنل لار ایکٹ قائم کردیا گیا اور صرف نکاح و طلاق وغیرہ کے اندراج کے لئے چند جگہ رسمی قاضی مقرر کردیئے گئے اور مسلمانوں کی مخالفت اور ان کی آواز پر کان نہ دھرا گیا۔

یہ مسلم لار میں بلکہ خود مسلم پرسنل لا میں مسلم لار کا نام دیتے ہوئے ساتواں تغیر اور اس پر کھلا حملہ تھا ۱۸۸۷ء سے تقریباً ۱۹۳۶ء تک مسلم پرسنل لا ایکٹ کا نفاذ رہا بالآخر جمعیۃ العلمار کے جاں باز علمار جیسے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب وغیرہ رحمہم اللہ کی مجاہدانہ سعی پیہم سے ۱۹۳۷ء میں شریعت ایکٹ بشکل مسلم پرسنل لار تسلیم کرلیا اور یہ موڑ مسلم پرسنل لار کا انگریزی حکومت میں آخری تھا، لیکن جمعیۃ العلمار کا مطالبہ مکمل شریعت ایکٹ کا چلتا رہا یہاں تک کہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان آزاد ہوگیا اور

جمہوری اصول کی حکومت قائم ہوگئی، جمہوری حکومت میں تمام اہل مذاہب کو پورے مذہبی حقوق حاصل رہتے ہیں، نیز اس نئی حکومت کے بنیادی اصولوں میں دستوری وضاحت کے ساتھ تمام مذہبی حقوق کے تحفظ کی ضمانت مصرح تھی، اس لئے علماء کرام اس جانب سے مطمئن ہوگئے چنانچہ آزادی کے بعد ابتداء میں عدالتیں اس کا لحاظ بھی رکھتی تھیں، جیساکہ ۱۹۵۵ء، ۱۹۵۶ء میں جموں کشمیر کے ایک چیف جسٹس کے سخت اظہار ناراضگی سے معلوم ہوتا ہے جبکہ ماتحت عدالت نے نان نفقہ کے ایک مقدمہ میں شرعی قانون کے خلاف فیصلہ کر دیا تھا۔

چند پنجسالہ منصوبوں تک حکومت کا یہ نظریۂ انصاف برابر چلتا رہا اور عدالتیں بھی مسلمانوں کے مذہبی حقوق کا برابر لحاظ کرتی رہیں، اور مسلمان بھی ایک گونہ مطمئن رہے، مگر شومیٔ اعمال سے اس حکومت پر بھی چند ہی دہائیاں گذرنے پائی تھیں کہ حکومت کے ارباب حل وعقد کے مزاج بدلنے لگے اور ان جمہوری بنیادی اصولوں کی تبویب وتشریح کبھی رہنما اصولوں کے روپ میں کبھی ضمنی واقعات کے اضافہ کے انداز میں کبھی سول کوڈ کی اہمیت وضرورت کے اظہار کے انداز میں کی جانے لگی جس سے پھر شریعت ایکٹ یا مذہبی حقوق کا تحفظ مشتبہ یا مشکوک نظر آنے لگا، اور مسلم قوم کو بحیثیت مسلم شکایات کا موقع آتا رہا، اور حکومت کو اس طرف متوجہ بھی کیا جاتا رہا، مگر حکومت کے ارباب حل وعقد پر اس کا کوئی اثر نمایاں نہیں ہوا، بلکہ عدالتوں نے کھل کر مسلم پرسنل لاء جو تسلیم شدہ تھا، اس کی مخالفت اپنے فیصلوں میں شروع کردی اور مسلمانوں کے دین ومذہب میں کھلی مداخلت تک نوبت پہونچا دی، جس پر مسلمانوں میں بے حد تشویش پیدا ہوگئی، جس کے نتیجہ میں یہ مضمون بھی سامنے آیا، اب اس اپیل کے ساتھ اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ حکومت کے ارباب حل وعقد جو قدرت انصاف و سلامتی طبع خود رکھتے ہیں اس طرف جلد متوجہ ہوں۔ فقط واللہ الموفق والمعین۔

مسلم پرسنل لا، کیا ہے؟

مولانا اسیر ادروی

مسلم پرسنل لا، اسلام کے ان چند قوانین اور اصولوں کو کہا جاتا ہے جن کو انگریزی حکومت نے اپنے مراحم خسروانہ سے اپنے حدود حکومت میں مجبوراً نافذالعمل تسلیم کرلیا تھا اور عدلیہ مسلم لا، کے مطابق ان کے فیصلے کرتی تھی، ورنہ ان کا مقصد تو ہندوستان میں عیسائیت کا مکمل فروغ تھا، لیکن مسلمانوں کی شدید مزاحمت کی وجہ سے ہندوستان کو اندلس بنانے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور مذہب کی مخالفت کرکے ہندوستان پر قبضہ و تسلط ممکن نہ تھا اس لئے انہوں نے مذہبی مراسم کی ادائیگی اور مذہب کو قبول کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کی آزادی کا اعلان کیا اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کے وہ عائلی قوانین جو اسلام کے بنیادی قوانین ہونے کی وجہ سے مسلم معاشرہ کے جزء ہیں ان کے بقاء و تحفظ کی ضمانت دی اور عدلیہ کو پابند کیا کہ نکاح، طلاق، خلع، وراثت، وصیت، ہبہ، حضانت، نفقہ، شفعہ، وقف، ولایت، ایلا، ظہار، فسخ نکاح، مبارات اور حضانت کے مقدمات کا مسلمانوں کے مذہبی قوانین کے مطابق فیصلہ کیا جائے، اسی کو قانون کی کتابوں میں مسلمانوں کے خصوصی قوانین کا نام دیا گیا اور قانون داں طبقہ میں مسلم پرسنل لا کے نام سے مشہور ہوگیا، تعزیراتی قوانین، محکمہ قضا کا خاتمہ، بعض امور میں نفاذ حکم کے لئے

حاکم کے مسلمان ہونے کی جو شرط تھی اس کی نفی کردی اور ان کو ماننے سے انکار کردیا اس لیے بعض امور مسلم پرسنل لا کے دائرے میں رہتے ہوئے عدالت کے فیصلہ کو مسلمانوں نے نافذالعمل تسلیم نہیں کیا، مسلم پرسنل لا کا دائرہ جن امور تک محدود تھا ان میں دارالافتار کے فتوی کے مطابق فیصلہ کیا جاتا تھا، اور انگریزوں کے پورے دور حکومت میں کبھی یہ مسئلہ نہیں اٹھا کہ عدلیہ نے مسلمانوں کے عائلی قوانین کے خلاف فیصلہ کیا ہے

جنگ آزادی میں شریک مسلمانوں کو یقین تھا، کہ ہندوستان کے آزاد ہونے کے بعد مذہبی امور کو انگریزوں کی دی ہوئی محدود آزادی سے زیادہ وسیع معنی میں آزادی حاصل ہوگی، وہ رعایت تھی اور آزادی کے بعد جو کچھ ملے گا وہ بطور حق کے ہم کو ملے گا، لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا جارہا ہے ہم یہ یقین پر مجبور ہوتے جارہے ہیں ؎

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا، ہم خوش فہمی میں مبتلا رہے اور صرف ہوائی قلعے بناتے رہے۔

ادھر چند برسوں میں مسلم پرسنل لا، کا لفظ کچھ اس انداز میں استعمال کیا جانے لگا ہے جیسے مسلمانوں کے مذہبی قوانین کچھ اور ہیں اور مسلم پرسنل لا کچھ اور، یہ صرف مسلم معاشرہ کے رسم ورواج کا نام ہے، پچھلے دس بارہ برسوں میں خود ہمارے طرز عمل سے یہ غلط فہمی اور عام ہوگئی ہے کیونکہ ہر بحث، مباحثہ، ہر تجویز اور ریزولیشن اور ہر میمورنڈم میں صرف مسلم پرسنل لا کے بارے میں خطرہ کا اظہار کیا جارہا ہے اور صرف اس کے تحفظ کا مطالبہ کیا گیا، مطالبہ کے الفاظ، انداز بیان اور لب ولہجہ سے یہ تاثر دیا گیا کہ ہندوستان میں ہمارا مذہب تو محفوظ ہے، البتہ ہمارا پرسنل لا، خطرہ میں ہے، جس کی وجہ سے غیر مسلم لیڈروں اور ارباب حکومت نے یہی محسوس کیا کہ مسلم پرسنل لا، مسلمانوں کے مذہب سے علیحدہ کوئی چیز ہے، جو رسم ورواج اور سماجی طور طریقوں سے تعلق رکھتا ہے، جب کہ حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ

جتنے قوانین مسلم پرسنل لا کے دائرے میں آتے ہیں وہ رواجی نہیں بلکہ ہمارے مذہب کی بنیادی تعلیمات وروایات کا ایک حصہ ہیں اور قرآن وسنت سے ثابت شدہ واجب العمل حقائق ہیں، اس لئے مسلم پرسنل لا کے خطرے میں ہونے کے اظہار کے بجائے غیر مبہم اور واضح الفاظ میں مذہب کے خطرے کا اظہار زیادہ موثر تھا،

سپریم کورٹ کے موجودہ فیصلہ نے دائرۂ بحث کو محدود سے محدود تر بنا دیا ہے علماء کرام اور مفتیان عظام نے فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ تاتارخانیہ اور شامی کی ورق گردانی شروع کردی اور دلائل فراہم کرنے لگے، متاع کی تحقیق وتفسیر، نفقہ کے مسائل کی تشریحات اور حوالہ جات کا انبار لگانے لگے۔ عدلیہ اور ارباب حکومت مسلمانوں کے اس انہماک اور سرگرمیوں کو دیکھ کر صرف مسکراتے رہے کیونکہ وہ اپنی توانائیاں غیر ضروری مصروفیتوں میں ضائع کررہے تھے، یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ دلائل کی کمی کی وجہ سے سپریم کورٹ نے غلط فیصلہ کردیا اور اس کو محققانہ اور عالمانہ دلائل سے فیصلہ بدلنے پر مجبور کردیا جائے گا، سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ سوچا سمجھا ہوا فیصلہ تھا، ایک لاکھ دلائل بھی اس ذہن کو نہیں بدل سکتے جن سے کام لے کر یہ فیصلہ کیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ اس فیصلہ کے بعد فرقہ پرست اخبارات اور لیڈروں نے مسلمان عورت کی مظلومیت پر مگرمچھ کے آنسو بہائے، بیانات دیئے، ایڈیٹوریل نوٹ لکھے اور دور جدید کے میر صادق محمد عارف خان کو پارلیمنٹ میں مسلم دشمن تقریر کرنے پر مبارکباد دی گئی اور اس کو مسلم عورتوں کا مسیحا کہا گیا[1] مسلمانوں میں طلاق کی اجازت پر غم وغصہ اور نفرت کا اظہار کیا گیا، اس کے جواب میں مسلم پریس نے طلاق کی ضرورت واہمیت اور حکمت وفلسفہ پر دلائل وبراہین تجربات ومشاہدات کا قطب مینار کھڑا کرنا شروع

---

[1] ہندسماچار جالندھر ۲۵ر ستمبر ۱۹۸۵ء، آزاد ہند کلکتہ ۳۰ر ستمبر ۱۹۸۵ء

گیا اور ایسا محسوس کیا جانے لگا کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کو اگر شکایت ہے تو صرف اس بات کی شکایت ہے کہ ان سے طلاق کا حق چھینا جا رہا ہے، اس حق کی راہ میں سنگ گراں حائل کیا جا رہا ہے، حتیٰ کہ وزیراعظم سے بھی ایک موقر وفد نے یہی بات کہی کہ اگر طلاق کے بعد تازندگی خرچ دینا ضروری قرار دیا جائے گا، تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ناپسند بیوی سے نجات حاصل کرنے کے لئے قتل، زہر خورانی اور دوسرے بھیانک جرائم کا آغاز ہو جائے گا جیسا کہ ان طبقوں میں مسلسل ہو رہا ہے جن کے یہاں طلاق کی اجازت نہیں ہے۔

غرضیکہ بحث کا دائرہ سمٹ سمٹا کر طلاق کی اجازت بعد عدت نفقہ پر آکر ختم ہو گیا اور اس تحریک کی روح قبل از وقت مر گئی، حالانکہ بات بہت مختصر تھی، سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کے بعد مسلمانوں کے دانشور طبقہ کو صاف طور پر غیر مبہم الفاظ میں یہ اعلان کر دینا کافی تھا کہ مذہب کی آزادی کی دستور میں دی ہوئی ضمانت عدلیہ کے اس فیصلہ نے رد کر دی اور آزاد ہندوستان میں جو جمہوری اور سیکولر اسٹیٹ ہے مسلمانوں کا مذہب محفوظ نہیں رہا دلیل میں بطور مثال اس فیصلہ کو پیش کیا جاتا اور خود فیصلہ کو موضوع بحث نہ بنایا جاتا تو مسلمانوں کا کیس اتنا کمزور نہ ہوتا جتنا آج ہے بار بار کا تجربہ ہے کہ جلسہ و جلوس، کانفرنسوں و مظاہروں میں مسلمانوں کی بہت سی توانائیاں ضائع ہو جاتی ہیں تو وزیراعظم کی طرف سے ایک فرسودہ اور پامال بات دہرا دی جاتی ہے کہ حکومت سر دست مسلم پرسنل لا میں کوئی تبدیلی کرنا نہیں چاہتی جب تک کہ خود مسلمانوں کی طرف سے اس کا مطالبہ نہیں ہوگا، بار بار کے اس اعلان سے بھی یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ حکومت مسلم پرسنل لا کو مسلمانوں کے مذہب سے علیٰحدہ کوئی چیز سمجھتی ہے، اگر اسکو یقین دلایا گیا ہوتا کہ مسلم پرسنل لا، مذہبی احکام و قوانین کے سوا اور کچھ نہیں ہے تو شاید اس مہمل اور بے معنی اعلان کی غلطی بار بار نہیں دہراتی

کیونکہ ہر شخص جانتا ہے، کہ کوئی بھی فرقہ اپنے مذہبی احکام میں ترمیم و تبدیلی کا مطالبہ نہیں کرسکتا ہے، اگر حکومت جانتی کہ مسلم پرسنل لا نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی طرح ان کے مذہب کا ضروری حصہ ہے اور مسلمان مسلمان رہتے ہوئے اس کی خلاف ورزی اور اس سے انکار کی جرأت نہیں کرسکتا ہے، تو خود مسلمان یہ کیوں مطالبہ کرے گا کہ ہمارے مذہب کے فلاں فلاں قوانین میں ترمیم کردی جائے یا اس کو کالعدم قرار دے دیا جائے، خود مسلمان اپنی زبان سے اپنے مذہب کی نفی کرکے وہ مسلمان ہی کب رہ جاتا ہے، لیکن حکومت جانتی ہے اور تمام غیر مسلم لیڈروں کو یہی غلط فہمی ہے کہ مسلم پرسنل لا کی حیثیت صرف رسم و رواج کی ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں اور رسم و رواج میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے مسلمان بھی کبھی اپنے فرسودہ رسم و رواج سے اکتا کر ان مراسم کو ترک کرسکتا ہے، اسی لئے وہ اپنے رٹے ہوئے جملے دہراتی رہتی ہے

حکومت کی بدنیتی اسی سے معلوم ہوتی ہے کہ ہر بار وہ اپنے اعلان میں اس بات کا اظہار ضروری سمجھتی ہے کہ اگر مسلمانوں کی طرف سے اس کا مطالبہ کیا گیا تو یقینی طور پر اس میں تبدیلی کردی جائے گی اور سب سے سچی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اس تبدیلی کے لئے خود بےچین ہے، لیکن حالات سازگار نہ ہونے کی وجہ سے اس نے کوئی بڑی تبدیلی نہیں کی متبنّٰی بل پارلیمنٹ میں پیش ہوکر بھی واپس لے لیا گیا کیوں کہ اس نے سمجھ لیا کہ یہ اقدام ابھی قبل از وقت ہے۔

حکومت کی منشا اور انداز فکر کو سمجھ کر مسلمانوں ہی کے کچھ ضمیر فروش افراد حکومت کے سُر میں سُر ملا کر تبدیلی کا راگ الاپنے لگے ہیں لیکن ابھی ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر حکومت کو چند ضمیر فروشوں کا بھی سہارا مل گیا تو یکساں سول کوڈ کی جانب ایک لانبی جست لگائے گی اور اپنی متعینہ منزل کے لئے راہ ہموار کرنے کی غرض سے پہلی فرصت میں مسلم پرسنل لا کی ساری عمارت کو

دھاگرز مین بوس کر دے گی، کیونکہ ہندو پرسنل لا جو یہاں کے ۸۵ فیصدی لوگوں کے خصوصی قوانین کا نام تھا اس نے یک لخت اس کا خاتمہ کر دیا، مخالفت میں ایک آواز بھی فضا میں نہیں سنائی دی اب ارباب حکومت کے ساتھ ساتھ پچاسی فیصدی کی یہ تعداد بھی چاہتی ہے کہ مسلمانوں کا بھی یہ امتیاز کالعدم ہو جائے۔

اگر حکومت مسلمانوں کے جذبات کا اتنا پاس اور لحاظ رکھتی ہے کہ اگر قابل ذکر تعداد بھی پرسنل لا میں تبدیلی کا مطالبہ کرائے تو حکومت اس مطالبہ کو پورا کرنے میں قطعی کوئی تاخیر نہیں کرے گی تو آج ۳۸ سال سے فسادات کے نام پر مسلمانوں کی نسل کشی ہو رہی ہے اور درندگی و بہیمیت کا ایک تانتا لگا ہوا ہے اور ہندوستان کے سارے مسلمان سوائے چھاگلہ دلوائی اور عارف خان کے یہ متفقہ مطالبہ کرتے آئے ہیں کہ فسادات کے اس لامتناہی سلسلہ کو روکنے کے لئے ضروری ہے کہ جس ضلع میں فساد کے نام پر مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے وہاں کی انتظامیہ کو اس کا ذمہ دار گردانا جائے اور مجرم حکمران کو سزائیں دی جائیں تاکہ قتل و غارت گری کا یہ سلسلہ بند ہو لیکن ان ۳۸ سالوں میں کروڑوں کی جائدادیں تباہ کی گئیں، ہزارہا ہزار افراد انتہائی بربریت اور سفاکی کے ساتھ ذبح کئے گئے، بھونکے گئے، جلائے گئے، دہکتی ہوئی آگ میں زندہ بچے پھینک دیئے گئے لیکن حکومت کے کان پر جوں تک نہیں رینگی اور مسلمانوں کے اس متفقہ مطالبہ کو ایک دن بھی سنجیدگی سے نہ سنا گیا ۔ ورسلم پرسنل لا میں تبدیلی کے لئے بار بار کہتی ہے اور مسز اندرا گاندھی سے لے کر آج تک ان گنت بار اس کا اظہار و اعلان کیا گیا کہ اگر مسلمانوں کا قابل ذکر حصہ بھی مطالبہ کرے تو ضرور تبدیلی کر دیں گے، آخر کیا بات ہے؟ مسلمان جس کا متفقہ مطالبہ کرتا ہے اور جائز مطالبہ کرتا ہے اور بار بار کرتا ہے اس کو سننے کی بھی زحمت نہیں کی جاتی اور جو کام مسلمانوں کو کسی قیمت پر منظور نہیں اس کو بروئے کار لانے کے لئے بےچین نظر آتی ہے؟

بات صرف اتنی ہے کہ فرقہ پرست جو باتیں برملا اور علی الاعلان کہتے ہیں، تلخ اور دل آزار لب ولہجہ میں کہتے ہیں ارباب حکومت اس کو شیریں لب ولہجہ میں کہتے ہیں اور خوبصورت الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں، مقصد اور نقطۂ نگاہ دونوں کا ایک ہے حکومت کے پیش نظر "یکساں سول کوڈ" کی منزل ہے، وہاں تک پہونچنے کیلئے وہ کئی قدم آگے جاچکی ہے، اس لئے سب سے پہلے ہندو پرسنل لا کو جدید شکل میں ۲۵؍ اگست ۱۹۵۵ء کو ریڈیو پر تقریر کرتے ہوئے اس وقت کے وزیر قانون مسٹر پاٹسکر نے کہا کہ

"آئین کے نفاذ ۲۶؍جنوری ۱۹۵۰ء کے بعد اسپیشل میرج ایکٹ ہندو میرج ایکٹ پاس کئے گئے ہیں، اب ہندو قانون وراثت کا مسودہ پارلیمنٹ میں زیر غور ہے یہ سب ضابطہ دیوانی کو یکساں بنانے کے اقدامات ہیں۔"

اس تقریر سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حکومت یکساں سول کوڈ کو اپنی آخری منزل سمجھتی ہے، دستور میں بھی یکساں سول کوڈ بنانے کی گنجائش رکھی گئی ہے دستور کے باب "مملکت کی حکمت عملی کے ہدایتی اصول" کی دفعہ ۴۴ میں ہے۔

"مملکت یہ کوشش کرے گی کہ بھارت کے پورے علاقہ میں شہریوں کے لئے یکساں مجموعہ قانون دیوانی کی ضمانت ہو[1]"

مارچ ۱۹۷۳ء میں بنگلور میں یکساں سول کورڈ کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے لا کمیشن کے چیرمین مسٹر گجیندر گڈکر نے فرمایا۔

"مسلمانوں کو یکساں سول کوڈ کو قبول کرنے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کرلینا -

---

[1] بھارت کا آئین یکم جولائی ۱۹۸۲ء تک ترمیم شدہ شائع کردہ ترقی اردو بیورو ص ۵۸

چاہیئے اگرانہوں نے خوش دلی کے ساتھ نہیں قبول کیا تو قوت کے ذریعہ یہ
قانون نافذ کیا جائے گا ،،

ان تفصیلات سے ہوا کے رخ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ۔ یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا معنی ہوا کہ مسلمانوں کے مذہب کے ایک بڑے حصہ کو کاٹ کر پھینک دیا جائے گا ، کیوں کہ ہمارا پرسنل لا رسم اور رواج کا نام نہیں ہمارے مذہب کا حصہ ہے ، ان قوانین کی نفی ہمارے مذہب کی نفی ہے ، یکساں سول کوڈ کی براہ راست زد ہمارے مذہب پر پڑتی ہے ، ہندوستان کے دستور میں دیئے گئے بنیادی حقوق ، مذہب اور ضمیر کی آزادی مہمل اور بے معنی ہوکر رہ جاتی ہے ، خطرے کی یہ تلوار ہمارے سروں پر مسلسل لٹک رہی ہے مسلمانوں کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو مذہبی پابندیوں سے گھبراتا ہے مغربی تہذیب کی چکاچوند نے اس کی آنکھیں بند کر رکھی ہیں ان کے دلوں کا چور بھی یہی ہے کہ وہ ان مذہبی پابندیوں سے آزاد ہو جائے ، وہ مسلمان خاندانوں میں پیدا ہو جانے کی وجہ سے مسلمان ضرور کہے جاتے ہیں لیکن دل و دماغ افکار و خیالات ، انداز فکر اور جذبات کے اعتبار سے اسلام سے بہت دور ہیں ، جیساکہ چھاگلہ کار ویہ اور حمید دلوائی کا وصیت نامہ جس میں مسلمانوں کی طرح دفن کئے جانے کے بجائے شمشان گھاٹ میں جلائے جانے کی وصیت کی تھی ، اس سے ان کی ذہنی ساخت کا پتہ چلتا ہے ، ابھی ابھی پانڈیچری کے وزیر اعلیٰ محمد فاروق کا بیان آیا ہے ، کہ سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے میں اسلامی احکام کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی ہے اور اس بیان کے بعد وہ مندر میں گئے اور شراب کی بوتل بھینٹ چڑھائی [1] ۔

یہ طبقہ مسلسل جد وجہد کر رہا ہے ، کہ وہ ان پابندیوں سے خود کو آزاد کر لے اور

---

[1] قومی آواز دہلی ایڈیشن ۱۱ ؍ دسمبر ۱۹۸۵ء ۔

حکومت اپنی اندرونی خواہش اور جذبے کی وجہ سے ان کی طرف بڑی پرامید نگاہوں سے دیکھتی ہے اگر اس کو ذرا بھی بہانہ مل گیا تو وہ سب کچھ کر گذرے گی، جس کے لیے وہ برسوں سے پرتول رہی ہے۔

اگر آپ اخبار پڑھتے ہیں تو آپ نے ضرور یہ اندازہ لگایا ہوگا کہ مسلمانوں میں جو شخص اسلام اور مسلمانوں کے اجتماعی مفاد اور نقطہ نگاہ اور زاویہ فکر کے خلاف کوئی بات کہتا ہے کوئی تقریر کرتا ہے، بیان دیتا ہے، یا اجلاس منعقد کرتا ہے، چاہے وہ اجلاس انگلیوں پر گنے جانے والے افراد ہی پر کیوں نہ مشتمل ہو مگر ہندوستان کا قومی پریس اس کی خوب پبلسٹی کرتا ہے، تمام خبر رساں ایجنسیاں اس کی خبر کو لیتی ہیں اور ٹیلی کاسٹ کرتی ہیں، فرقہ پرست اخبارات میں جلسہ کی خبر شاہ سرخیوں سے شائع کی جاتی ہے، ارباب حکومت کی نگاہ بھی ان کی طرف محبت آمیز اٹھتی ہے، اس کے بیانات کا حوالہ دیا جاتا ہے اور اس کو بطور سند پیش کیا جاتا ہے۔

غرض کہ مسلمان خاندان میں دور جدید کا کوئی میر جعفر اور میر صادق پیدا ہوتا ہے تو مسموم ذہنیت رکھنے والوں کے یہاں گھی کے چراغ جلتے ہیں حمید دلوائی، چھاگلہ، اے، اے، فیض، اصغر علی انجینیر کی شہرت کا راز یہی ہے، اب اس فہرست میں ایک نام کا اور اضافہ کر لیجئے، اور وہ نام ہے عارف محمد خان کا ابھی ان کا اسلام دشمن پہلا بیان آیا ہے ؎ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

ماضی قریب میں یورپ کی فیکٹریوں سے درآمد کئے ہوئے افراد نے ہندوستان کی تقسیم کا نعرہ لگا کر ستر فی صدی مسلمانوں کو اس راہ پر لگا دیا جو ان کو مکمل تباہی کے طرف لے جارہی تھی اور اسباب وعلل کی اس دنیا میں بظاہر یہ نا ممکن معلوم ہو رہا تھا کہ تقسیم ملک کے بعد آگ اور خون کی ہونے والی بارش سے ہندوستان میں ایک توحید پرست زندہ وسلامت رہ سکے گا، اور یہاں کی فضاؤں میں نعرۂ توحید سنائی دیگا

لیکن قدرت کو ابھی اس سرزمین کو توحید پرستوں سے محروم کرنا نہیں منظور تھا، اس لئے قیامت لئے قدم آگے بڑھ کر پھر پیچھے لوٹ گئی، کل مسلمانوں کا مادی وجود خطرہ میں تھا، آج اسی طبقہ نے مسلمانوں کے وجود کو خطرہ میں ڈالدیا ہے، وہ قیامت صغریٰ تھی اور یہ قیامت کبریٰ ہوگی، اس لئے وقت کا اہم ترین اور پہلا فریضہ یہ ہے کہ اس عزم ویقین کے ساتھ جدوجہد کے میدان میں قدم رکھا جائے کہ ؎ یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید۔

اندرا اور باہر کی دونوں طاقتیں نبرد آزما ہو چکی ہیں، مسلم پرسنل لا ان کا ہدف بن چکا ہے اس طرح وہ مذہب کے ایک حصہ کو کالعدم قرار دینے کے لئے ہر امکانی جد و جہد کر رہے ہیں ان دونوں طاقتوں کا اتحاد ایک بڑے خطرے کی نشاندہی کرتا ہے اس لئے مسلم قیادت کی حالات کی نبض پر انگلیاں رہنی چاہیئے، اور ہر طرح کی جدوجہد کیلئے بیداری پیدا کرنے کی ضرورت ہے، یہ جدوجہد عام سیاسی ہنگامہ آرائیوں کی طرح نہیں ہونی چاہیئے اس جدوجہد کی ناکامی کا معنی مسلمانوں کے روحانی وجود کا مکمل فنا ہونا ہے اور اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اسلامی زندگی کے حدود مقرر ہیں، ان حدود سے سرمو تجاوز بھی انسان کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے، اسلام کے عقائد و عبادات جس طرح قرآن وحدیث سے مستنبط ہیں اسی طرح اس کے اقتصادی اور سماجی، معاشرتی اور عائلی قوانین کا بھی سرچشمہ قرآن واحادیث ہی ہیں اور یہ قوانین بھی اس کے مذہب کے اسی طرح جزو ہیں جس طرح عقائد وعبادات، ان قوانین کا مسلمانوں کے رسم ورواج سے قطعی کوئی تعلق نہیں بلکہ جو اعمال وافعال رسم ورواج اور گرد وپیش اور ماحول کے اثرات سے مسلم معاشرہ میں رائج ہو گئے ہیں اسلام اس سے انکار ہی نہیں کرتا ہے بلکہ اس کی بھرپور مذمت کرتا ہے۔

مسلمان اگر زندہ رہے گا تو اپنے اسلامی اصولوں کے ساتھ زندہ رہے گا اور ان

اصولوں کو ترک کرکے زندگی گذارنے پر مجبور ہوگیا تو اس کی زندگی سے اس کی موت بہتر ہے خدا کی سرزمین کو اس کے وجود سے پاک ہو جانا ہی اچھا ہے۔

مسلمان اس ملک میں ہزاروں قیامتیں گذر جانے کے بعد جو صرف اس لئے مطمئن تھا کہ ہندوستان کا دستور سیکولر اسٹیٹ کے اصولوں پر ہے، ملک کے باشندوں کو اپنے مذہب طور طریقوں اپنے مذہبی اصول وضوابط پر زندگی بسر کرنے کی پوری آزادی دی گئی ہے، دستور اس کی ضمانت دیتا ہے، اور یہ گارنٹی دی گئی ہے کہ حکومت کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کے نجی قوانین میں کوئی مداخلت نہیں کرے گی، دستور ہند کے بنیادی حقوق کے باب میں مذہب کی آزادی کا حق" کی دفعہ ۲۵ میں ہے۔

" تمام اشخاص کو آزادی ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے اور اس کی پیروی اور اس کی تبلیغ کا مساوی حق ہے " ؎۱

ثقافتی و تعلیمی حقوق کی دفعہ ۲۹ میں ہے۔

" بھارت کے علاقہ میں یا اس کے کسی حصہ میں رہنے والے شہریوں کے کسی طبقہ کو جس کی اپنی الگ جداگانہ زبان، رسم الخط یا ثقافت ہو اس کو محفوظ کرنے کا حق ہوگا " ؎۲

بنیادی حقوق کی یہ دفعات ضمانت دیتی ہیں کہ حکومت ان تمام امور میں قطعی مداخلت نہیں کرے گی جن کا تعلق کسی بھی طبقہ کے مذہبی قوانین سے ہوگا، اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ آج کی اصطلاح میں جن کو مسلم پرسنل لا کہا جاتا ہے ان سب کا براہ راست تعلق مسلمانوں کے مذہب سے ہے، مسلمانوں کے ان خصوصی قوانین کی نفی درحقیقت مسلمانوں کے مذہب کی نفی ہے اور دستور کی صریح خلاف ورزی ہے۔

؎۱ بھارت کا آئین یکم جولائی ۱۹۸۲ء تک ترمیم شدہ ص ۴۶ ؎۲ بھارت کا آئین ص ۴۷

موجودہ مسلم پرسنل لا جن قوانین تک محدود ہے ان کی شرعی حیثیت اور جزو دین ہونے کی طرف مختصر اشارے کافی ہوں گے۔

نکاح - نکاح کے سلسلہ میں بہت سی تفصیلی آیتیں آئیں ہیں، محرمات ابدیہ کی فہرست درج ذیل آیتوں میں ہے۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ الخ

بیوی اور شوہر کے حقوق وفرائض کی تشریح بھی قرآن ہی میں موجود ہے، کوئی فریق ایک دوسرے کی حق تلفی کرے تو فریق ثانی کو اس کے مطالبہ کا حق قانون شرعی کے مطابق حاصل ہے، غیر مسلم مرد کا مسلمان عورت سے اور غیر مسلمان عورت کا مسلمان مرد سے نکاح نہیں ہوسکتا، ایک سے زائد بیویوں کی بھی اسلام میں اجازت ہے، فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلٰث ورُبٰع، نکاح کے بنیادی قانون کے علاوہ اس کے ذیلی قوانین بھی قرآن وحدیث ہی سے ثابت ہیں، اس میں کہیں بھی رسم ورواج کو دخل نہیں ہے

طلاق زوجین میں نباہ دشوار ہوجائے تو قانون شرعی کے مطابق دونوں کو علیحدہ ہونے کا حق بھی قرآن ہی نے ان کو دیا ہے، الطلاق مرتان فامساك بمعروف اوتسريح باحسان، شوہر کو ناپسندیدہ بیوی سے علحدگی کا اگر قانونی حق دیا گیا ہے تو عورت کو بھی بہت سی صورتوں میں علحدہ ہوجانے کا حق بھی قرآن نے دیا ہے اس کو زہر کھانے، تالاب اور کنویں میں چھلانگ لگانے اور مٹی کا تیل چھڑک کر مرنے پر ہمارے مذہب نے مجبور نہیں کیا ہے۔ جیسا کہ ان طبقوں میں عام ہے جن کے یہاں زواجین میں علحدگی کا حق تسلیم نہیں کیا گیا ہے، مہر اور نفقہ کی ادائگی کے واضح احکام شریعت نے ان کو دیئے ہیں، طلاق مغلظ کے بعد پھر اسی عورت سے رشتہ مناکحت قائم کرنے پر پابندی بھی قرآن ہی نے لگائی ہے، فان طلقها فلا تحل له

حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ ، خود عورت عدت کے اندر دوسرا نکاح نہیں کر سکتی یہ تصریح بھی قرآن میں موجود ہے المطلقٰت یتربصن بانفسہن ثلٰثۃ قروء غرض کہ نکاح وطلاق کے تمام بنیادی اصول قرآن نے واضح طور پر خود بتائے ہیں انہیں اصولوں کی روشنی میں ذیلی قوانین پر مشتمل مستقل اور ضخیم ترین کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں ہر امکانی صورت کے لئے شرعی ضابطہ موجود ہے ، نکاح وطلاق اور اس سے متعلق جتنے احکامات ہیں ان میں سے کسی کا ادنیٰ تعلق بھی رسم ورواج سے نہیں بلا استثنار تمام احکام مذہبی قوانین کے زمرے میں آتے ہیں ۔

خلع اسلام نے بیوی کو ناپسندیدہ شوہر سے علحدگی کا بھی موقعہ دیا ہے قرآن کے الفاظ ہیں فان خفتم ان لا یقیما حدود اللّٰہ فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ ، اس طرح عورت شوہر سے علحدگی میں مذہب کی اجازت سے فائدہ اٹھا سکتی ہے ، اس کے تفصیلی احکام کتابوں میں مفصل موجود ہیں ، اسلامی قانون کی کتابوں کا یہ ایک مستقل باب ہے ، یہ اجازت سماجی ضوابط اور سوسائٹی کے طور طریقوں کا ثمرہ نہیں بلکہ مذہبی قوانین کا ایک حصہ ہے ۔

ایلاء جنسی تقاضے فطرت کے تخلیق کردہ ہیں ، زن وشوئی کے تعلقات میں اس کی بنیادی حیثیت ہے اس لئے اسلام نے اس فطری تقاضے کو ازدواجی زندگی میں اہمیت دی ہے ، اگر شوہر بیوی سے قربت نہ کرنے کی قسم کھالے جو در حقیقت بیوی کی حق تلفی ہے ، تو اس کے لئے قرآن کا واضح قانون موجود ہے ۔

للذین یولون من نسائہم تربص اربعۃ اشہر فان فاؤا فان اللّٰہ غفور رحیم وان عزموا الطلاق فان اللّٰہ سمیع علیم، اگر بیوی سے مفارقت کی قسم کی مدت چار مہینوں سے متجاوز ہو جائے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے ، بیوی اس کے دائرۂ اختیار سے از خود باہر ہو گئی ، اب شوہر کو اس پر اختیار

نہیں رہا، اب بیوی کی اجازت ہی سے دوبارہ اپنی زوجیت میں لے سکتا ہے اور اگر بیوی انکار کردے تو شوہر کو اس پر جبر کرنے کا اختیار نہیں اگر چار مہینے کے اندر قسم توڑ دی تو اس کا اختیار علیٰ حالہ باقی رہتا ہے لیکن کفارہ کی ادائگی ضروری ہے، فطرت انسانی کی رعایت کرتے ہوئے خود قرآن نے اس کے ضوابط مقرر کئے ہیں، سماج یا سوسائٹی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

فسخ نکاح

فسخ نکاح کا مسئلہ بھی مسلم پرسنل لا میں شامل ہے، اس کا بھی کوئی تعلق رسم ورواج سے نہیں یہ بھی ہمارے مذہبی قوانین کا ایک حصہ ہے، اس قانون سے استفادہ کے بہت سے مواقع ہیں اور ہر ایک کے لئے واضح شرعی ضابطہ موجود ہے، شلاً باپ دادا کے علاوہ کسی نے نابالغ لڑکی کی شادی کردی لیکن من شعور اور بلوغ کو پہونچتے ہی لڑکی نے اس رشتہ کو ناپسند کیا تو اس کو اختیار ہے کہ وہ اس نکاح کو تسلیم کرنے سے انکار کردے، نکاح فسخ ہو جائے گا، اور اسلامی عدالت اس کو تسلیم کرے گی، اسی طرح شوہر میں بہت سے فطری وغیر فطری عیوب ہو سکتے ہیں جن کی بنا پر وہ حقوق زوجیت کی ادائگی سے قاصر ہے ان عیوب کی بنا پر عورت کو قانون شرعی کے مطابق حق حاصل ہے کہ قاضی کی عدالت میں مرافعہ کرکے نکاح کو فسخ کرائے اور آزاد ہو جائے ہمارے مذہب نے اس فسخ نکاح کو قانونی حیثیت دی ہے اور نافذ العمل ہے، اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کی روایت مصنف عبدالرزاق میں اور حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایتیں مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہیں۔

عورت کو فسخ نکاح کرانے کا حق کئی صورتوں میں حاصل ہے شلاً عنین ہونا، مجبوب ہونا اور اسی طرح مفقود الخبر ہونا وغیرہ وغیرہ ان تمام صورتوں میں بیوی کو عدالت سے فسخ نکاح کرانے کا قانونی حق از روئے شریعت حاصل ہے لیکن اس کا لنفاذ قاضی شرعی

یا قائم مقام قاضی ہی کرسکتا ہے، جس کا مسلم ہونا ضروری ہے نہ غیر مسلم حاکم کا فسخ نکاح ہمارے مذہبی قوانین کے مطابق معتبر اور نافذ العمل نہیں ہے چونکہ اس کی حیثیت مذہبی قانون کی ہے اس لئے ان شرائط کی پابندی ضروری ہے، جو فسخ نکاح کے لئے شریعت نے عائد کی ہیں ۔

وراثت وراثت بھی مسلم پرسنل لا کی فہرست میں شامل ہے، وراثت کا قانون بلکہ مکمل ضابطہ قرآن میں موجود ہے بلکہ قرآن نے جن چند آیتوں میں وراثت کے مسائل کو بیان کیا ہے ان کی تفصیلات پر مشتمل مستقل ایک فن علم الفرائض ایجاد ہوگیا ہے، قرآن میں ہر ایک کا حق، اور حصہ متعین کر دیا گیا ہے، کسی کو یہ حق نہیں کہ اس میں کمی بیشی کرے یا مستحق کو غیر مستحق اور غیر مستحق کو مستحق بنا دے اس کا ہر ہر جزئیہ نص قرآنی سے ثابت ہے، قرآن کے الفاظ ہیں، یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلهن ثلثا ماترك وان كانت واحدة فلها النصف ولابويه لكل واحد منهما السدس مما ترك ان كان له ولد فان لم يكن له ولد وورثه ابواه فلامه الثلث فان كان له اخوة فلامه السدس من بعد وصية يوصی بها او دين (الاية وله عذاب مهين تک) قرآن کی ان آیتوں میں تقسیم وراثت کی تمام صورتوں کو سمیٹ لیا گیا ہے سوا ایک یا دو کے اس طرح پورا قانون وراثت قرآن کی نص صریح سے ثابت ہے اس لئے کسی جزء سے انحراف قرآن سے انحراف ہے ۔

ظہار ظہار بھی مسلم پرسنل لا کا ایک جزء ہے، یہ فقہ کا ایک مستقل عنوان ہے، اس کے مسائل کتابوں میں مشرح ہیں اس کا مفہوم ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو محرمات ابدیہ جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے ان میں سے کسی سے تشبیہ دیدے

اس کو ہمارے مذہب میں لفظ ظہار سے تعبیر کیا جاتا ہے اور بیوی سے مقاربت حرام ہو جاتی ہے اس کے لئے بھی نص قرآنی موجود ہے، والذین یظہرون من نسائہم ثم یعیدون لما قالوا فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا ذٰلکم توعظون بہ واللہ بما تعملون خبیر فمن لم یجد فصیام شہرین متتابعین من قبل ان یتماسا فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکیناً، ظہار کی صورت میں بیوی کو حق حاصل ہے کہ شوہر سے علیحدگی اختیار کرے، اور اپنے اوپر قابو دینے سے انکار کردے اور چاہے تو قاضی سے مرافعہ کر کے اپنی حفاظت کا بندوبست کر سکتی ہے، قاضی کو اختیار حاصل ہے، کہ شوہر کو قید کردے یا جسمانی سزا دے اور بیوی سے تعلق کو روک دے اور اسکو مجبور کردے کہ وہ کفارۂ ظہار ادا کرے اگر وہ بیوی سے زن شوئی کے تعلقات کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔

مبارات مبارات میاں بیوی کی علحدگی کی باہمی سمجھوتہ سے ایک شکل ہے، اس میں زوجین آپس میں ہر ایک کے دوسرے پر نکاح کی وجہ سے جو حقوق ہیں ان سے از خود دست بردار ہو جاتے ہیں جو دونوں فریق کو ایک دوسرے سے حاصل ہیں، اس سے بھی زوجین میں علحدگی اسی طرح ہو جائے گی جیسے خلع میں ہو جاتی ہے، یہ مسئلہ بھی مسلم پرسنل لا کے دائرۂ اختیار میں ہے، اس کی تفصیلات فقہ کی مطولات کی کتاب الطلاق میں موجود ہیں۔

وصیت وصیت کا نفاذ بھی مسلم پرسنل لا کے حدود اختیار میں ہے، اور اس کے قوانین کا ایک حصہ ہے ہمارے مذہبی قوانین کی رو سے موصیٰ لہٗ کو اپنے حق میں وصیت کے نفاذ کے لئے عدالت میں دعویٰ کرنے کا حق حاصل ہے کیونکہ وصیت سے وہ اس چیز کا شرعی طور پر مالک ہو جاتا ہے جس کی اس

کے حق میں وصیت کی گئی ہے، آیتِ میراث میں تین مقامات پر، من بعد وصیة یوصی بہا، کا لفظ موجود ہے جس سے قطعی طور پر قرآن کی منشار کا پتہ چلتا ہے کہ وصیت کے نفاذ کو اولیت حاصل ہوگی، اور اس کا نفاذ ضروری بھی ہے۔

وصیت کے نفاذ کے لئے جو شرائط ہیں ان کا مفصل ذکر فقہ کی کتابوں میں موجود ہے مثلاً جس کے لئے وصیت کی گئی ہے، وہ وصیت کرنے والے کا وارث نہ ہو، ما مشترک کی وصیت نہ کی گئی ہو، اور اگر مرض وفات میں وصیت کی ہے تو ثلث مال سے زائد نہ ہو، تجہیز وتکفین اور ادائے قرض کے بعد وصیت کا نفاذ ہوگا اس کا بنیادی حکم قرآن میں ہے اور جزئی احکام فقہ کی کتابوں میں مفصل مذکور ہیں۔

ہبہ ہبہ کے مقدمات کی سماعت بھی مسلم پرسنل لار کے دائرہ اختیار میں آتی ہے ہماری کتابوں میں اس کے واضح احکام موجود ہیں، ہمارا مذہبی قانون کہتا ہے کہ اگر ہبہ کرنے والے نے کسی کو کوئی چیز ہبہ کردی اور اس کو قبضہ ودخل دے دیا تو وہ اس کا مالک ہوگیا، چاہے تحریری ہو یا زبانی اس کی کوئی قید نہیں، اب ہبہ کرنے والے کے ورثہ کا حق بھی اس سے ساقط ہوگیا، حتیٰ کہ ہبہ کرنے والے کو بھی اس سے رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں بخاری، ترمذی اور ابو داؤد کی روایت ہے العائد فی هبته کالکلب یعود فی قیئه، فقہ کی کتابوں میں مفصل احکام ہیں، جو مستند روایتوں سے ماخوذ ہیں۔

حضانت بچے کا حق پرورش کس کو حاصل ہے، یہ مسئلہ بھی مسلم پرسنل لا میں شامل ہے، اس کا بھی شمار ہمارے مذہبی قوانین میں ہے مثلاً زوجین میں افتراق ہوگیا، بچہ گود میں ہے، بچہ باپ کی پرورش میں رہے گا یا ماں کی؟ ابو داؤد میں عبداللہ بن عمروؓ کی روایت مسئلہ کی نوعیت کو واضح کرتی ہے روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ ان امرأة قالت یارسول اللہ ان ابنی

هل اكان بطني له وعاء وحجري له حوى وثدي له سقاء وذعم ابوه انه ينزعه مني فقال عليه السلام انت احق به ما لم تتزوجي، بچہ ماں کے پاس رہے گا باپ کو اس سے چھیننے کا اختیار نہیں، اگر زبردستی کرتا ہے تو عورت عدالت میں دعویٰ کر کے بچہ کو حاصل کرنے کا حق رکھتی ہے، اور اخراجات کو پورا کرنا باپ کی ذمہ داری ہوگی اگر باپ اس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو عدالت اس کو اخراجات دینے پر مجبور کر سکتی ہے،

نفقہ نفقہ کا عنوان بھی مسلم پرسنل لاء کی فہرست میں ہے، نفقات کی بہت سی شکلیں ہیں ان تمام کے احکام ہماری مذہبی کتابوں میں تفصیل سے مذکور ہیں مثلاً شوہر پر بیوی کا نفقہ ضروری ہے، اس کے نفقہ میں خوراک پوشاک اور رہنے کا مکان شامل ہے، بیوی کو شرعی قانون کے مطابق یہ حق حاصل ہے اس کے لئے وہ عدالت سے رجوع بھی کر سکتی ہے یہ قانون بھی نص قرآنی سے ماخوذ ہے آیت ہے، لينفق ذوسعة من سعته، دوسری جگہ ہے على المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف، مسلم شریف حجۃ الوداع کے باب میں ہے لهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف، اسی طرح بیوی کو اپنے مفقود الخبر شوہر کے مال سے نفقہ لینے کا حق حاصل ہے، اسی طرح ماں باپ دادا دادی اگر محتاج ہیں تو ان کو بیٹوں اور پوتوں سے خرچ لینے کا قانونی حق حاصل ہے اسی طرح بچہ کم عمر اور محتاج ہے یا عورت بالغ ہے مگر محتاج وغریب ہے، یا بالغ مرد محتاج ہے اور اس کے ساتھ اپاہج ہے یا نابینا ہے تو ان کا نفقہ اس کے مستطیع رشتہ داروں پر ضروری ہے، بالغ لڑکی یا اپاہج لڑکے کا نفقہ والدین پر واجب ہے ان تمام مستحقین نفقہ کو یہ حق حاصل ہے، کہ جن لوگوں کے ذمہ نفقہ کی ادائگی از روئے شرع لازم ہے ان پر قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کر کے وصول کر سکتے ہیں قانون شرعی کے مطابق یہ حکم نافذ العمل ہوگا۔

شفعہ جائداد کی خریداری کا حق جو مشتری کی جائداد سے ملی ہوئی ہو یا وہ خود اس میں حصہ دار ہو یہ مسئلہ بھی مسلم پرسنل لا کے حدود اختیار میں ہے، ایسی جائداد اگر مالک کسی دوسرے شخص کو فروخت کر دے تو عدالت میں دعویٰ کر کے اسی لاگت پر پڑوسی یا حصہ دار کو اس کے پانے کا حق شریعت نے تسلیم کیا ہے، اسی کو حق شفعہ کہا جاتا ہے، یہ بھی ہمارے مذہبی قوانین کا ایک حصہ ہے، مسلم شریف کی روایت ہے،

قضیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالشفعة فی کل شرکة لم تقسم ربعة او حائط لایحل له ان یبیع حتی یوذن شریکه فان شاء اخذ وان شاء ترك فاذا باع ولم یوذنه فهو احق به،

اسی طرح بخاری شریف کی روایت میں یہ الفاظ ہیں، الجار احق بسقبه (ای بقربه) حق شفعہ ہمارے مذہبی قوانین کا ہی ایک حصہ ہے، اور ہم اس کو نافذ العمل مانتے ہیں۔

وقف وقف کا مسئلہ بھی مسلم پرسنل لا میں شامل ہے اور اس کے دائرہ کار میں آتا ہے اسلامی اصولوں کے مطابق خدا کی راہ میں وقف کر دینے کے بعد اس جائیداد کی حیثیت تمام جائیدادوں سے الگ نوعیت کی ہو جاتی ہے، جو اختیارات کسی شخص کو اپنی جائیداد میں حاصل رہتے ہیں ان میں سے کوئی اختیار باقی نہیں رہتا ہے، کیونکہ اب وہ جائداد کسی کی بھی ملکیت میں نہیں رہ گئی اس لئے اس جائداد کو نہ خریدا جا سکتا ہے، اور نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ واقف کے ورثار کو اس میں حق وراثت حاصل ہے، صحاح ستہ میں اس سلسلہ کی بہت سی روایتوں میں سے صرف مسلم شریف کی ایک روایت پیش ہے، عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں، اصاب عمرؓ ارضا بخیبر فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستامرہ فیها فقال یا رسول اللہ انی اصبت ارضا بخیبر لم اصب مالا اقط هو

انفس عندی منه فما تامرنی به قال ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها قال فتصدق بها عمر انه لايباع اصلها ولاتباع ولاتورث ولاتوهب، قال، فتصدق عمر فی الفقراء وفی القربی وفی الرقاب وفی سبیل اللّٰه وابن السبیل والضیف ولاجناح علی من ولیها ان یاکل منها بالمعروف او یطعم صدیقا غیر متمول فیه، روایت سے درجنوں وقف کے مسائل مستنبط ہیں ۔

ولایت ولایت کا شمار بھی مسلمانوں کے خصوصی قوانین میں کیا گیا ہے اور مسلم پرسنل لا کے تحت آتا ہے، بہت سے امور میں حق ولایت شریعت نے تسلیم کیا ہے، اور ہر جگہ اولیاء کے حقوق و فرائض کی بھی نشاندہی کر دی گئی ہے، نکاح کا ولی، جنازہ کا ولی، یتیموں کے مال کا ولی ۔ نابالغ اولاد کا ولی، ہر ایک کے الگ الگ ضابطے ہیں، قرآن میں تیموں کے اولیاء سے کہا گیا، اٰتو الیتٰمٰی اموالهم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب، نابالغ اولاد کے مال میں بربنائے ولایت تصرف کا اختیار اور کچھ شرائط کے ساتھ بیع و شرا کا اختیار اولیاء کو حاصل ہے یہ مسائل کتاب وسنت سے مستنبطت ۔

مسلم پرسنل لا جن قوانین کے مجموعہ کو کہتے ہیں ان کی طرف میرے مختصر اشاروں سے سمجھ لیا گیا ہوگا کہ یہ تمام مسائل قرآن وسنت سے براہ راست اخذ کئے گئے ہیں اور ہمارے مذہب کا حصہ ہیں، ان میں سے کسی جزء کی نفی ہمارے مذہب کی نفی ہے، حکومت جب مسلم پرسنل لا میں ترمیم وتنسیخ کے ارادہ کا اظہار کرتی ہے تو اس کا دوسرے لفظوں میں یہ معنی ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی احکام میں بھی ہم دخل اندازی کرنے کے لئے تیار ہیں ۔

مسلم پرسنل لا کے جملہ مسائل کا ہمارے مذہب سے براہ راست تعلق کوئی ڈھکی چھپی

بات نہیں، مسلم عوام سے لیکر اس کے دانشور طبقہ تک ہر شخص کو ان کے مذہبی قوانین ہونے کا یقین کامل ہے، لیکن اس کا علم رہتے ہوئے بھی میں نے ان امور کے مذہبی حصہ ہونے پر خامہ فرسائی کی غلطی کیوں کی؟ صرف اس لئے کہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ صرف اندھوں ہی کا ہاتھ پکڑ کر راستہ پر نہیں لگایا جاتا، کبھی کبھی کھلی آنکھیں رکھنے والوں کو بھی ہاتھ پکڑ کر راستہ پر لگانا ضروری ہوتا ہے، کیوں کہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنی مصلحتوں کے پیش نظر صحیح راہ ہوتے ہوئے بھی اس راہ پر چلنے سے کتراتے ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ حکومت کے سامنے غیر مبہم اور واضح لفظوں میں یہ بات رکھدی جائے کہ یہ رسم و رواج میں تبدیلی کا مسئلہ نہیں، مسلمانوں کے مذہب کے نفاذ و بقاء کا مسئلہ ہے مسلم پرسنل لاء کے کسی جزء کی نفی درحقیقت مسلمانوں کے مذہب کی نفی ہے جو مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت ہے، مسلم پرسنل لاء میں ترمیم، تنسیخ، یا تبدیلی درحقیقت مسلمانوں کے مذہبی احکام پر خط تنسیخ کھینچ دینا ہے جس کا حق ارباب حکومت کو حاصل نہیں، اور نہ خود مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے۔

اس لئے اگر ہندوستان کا کوئی دستور ہے تو اس کا احترام ضروری ہے، یہ ملک سیکولر اسٹیٹ اور جمہوری ہونے کا دعویدار ہے تو دستور میں دیئے گئے بنیادی حقوق کو سلب کرنے کا کسی کو اختیار حاصل نہیں ہے، اس کے باوجود حکومت کسی فرقہ کے بنیادی حقوق کو سلب کرتی ہے، تو اس کو سمجھ لینا چاہیئے، کہ اس کے اس ظلم و جبر کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کرے گی اور کاغذ کی ناؤ زیادہ دیر نہیں چلے گی۔

٭٭٭

محمد افضال الحق قاسمی
اعظمی - جونپور

مسلم پرسنل لا کیا ہے

ہندوستان جب کابل سے برما تک پھیلا ہوا تھا اس وقت مسلمانوں کی حکومت شخصی تھی، لیکن حکمرانی کا طریقہ اصولی اور قانونی تھا، کیونکہ اسلام نے خلیفہ اور قاضی کے دو الگ الگ عہدے قائم کر رکھے تھے، عدلیہ اور انتظامیہ کو الگ الگ کر دیا تھا، اس کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا، انصاف کے ذمہ داروں کے عہدے تھے، منصف، قاضی اور قاضی القضات اور انتظامی ذمہ داروں کے نام تھے، امیر، خلیفہ، وزیر نواب، بادشاہ، شہنشاہ۔

ہندوستان میں انصاف کے لئے اسلامی قانون بھی رائج تھے اور رسم ورواج سے بھی فیصلے ہوتے تھے، لیکن انتظام کے لئے کوئی بندھا ٹکا نظام نہیں تھا بلکہ ہر علاقے اور حکومت اور ریاست کا راجہ، نواب، اور بادشاہ مطلق العنان تھا، پھر بھی قاضی اور قاضی القضات کے فیصلے مانا کرتے تھے، جیسا کہ جہانگیر کا واقعہ مشہور ہے اس لئے اکبر نے اس پابندی کو اپنی آزادی کے لئے رکاوٹ سمجھ کر اسے ہٹانا چاہا تو مختلف مذاہب کو یکجا کرنے کے نام پر ایک دین الٰہی مرتب کیا یا موجودہ اصطلاح میں یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی طرح ڈالدی اور فیضی اور ابوالفضل کی ذہانت نے

چندرچوڑ کا کارنامہ انجام دیا ۔ ایسے میں اگر مجدد الف ثانی احمد سرہندیؒ سر ہتھیلی پر رکھکر میدان میں نہ آگئے ہوتے ، تو ہندوستان کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا ، مگر انہوں نے سیلاب کا رخ بدل دیا ، اور بدلا بھی تو صرف اپنی جرأت ، ہوش مندی اور تقریر سے نہیں بلکہ اس میں تصوف ، اتباع سنت اور روشن ضمیری کا بھی دخل تھا ۔ ان کی یہ جنگ خالص اخلاقی اور عدم تشدد کی جنگ تھی ، صبر آزما اور جرأت آزما جنگ تھی ، اس جنگ کے بعد جب گرد بیٹھ گئی تو اسیں سے عالمگیر پیدا ہوا جس نے حکمرانی کے لئے ایک عام قانون وضع کر دیا اس قانون کی بنیاد قرآن و حدیث اور اکابرین اسلام کے فتاویٰ پر تھی اس لئے اس کا نام فتاویٰ ہندیہ ۔ اور فتاویٰ عالم گیری پڑ گیا ان فتاویٰ کو حکومت کی آئینی حیثیت اس وقت تک حاصل رہی جب تک انگریزوں نے آکر اسے منسوخ نہیں کر دیا اس کے بعد وہ آئین نہیں رہا بلکہ آئین کا مجموعہ اک تاریخی دستاویز بن کر آج تک موجود ہے ۔

۲

برطانوی سامراج ایسا غیر ملکی اقتدار تھا ، جس نے عیسائی مذہب اور اس کے قانون سے گلو خلاصی کر کے دنیاوی اصولوں اور عقلی طریقۂ کار کو مذہبی اصولوں پر ترجیح دی تھی ، اور یورپ کی عام زندگی کو قیصر اور کلیسا میں تقسیم کر کے پرسنل زندگی اور سول زندگی بنا رکھا تھا ، اس لئے جب وہ ہندوستان میں آیا تو انہوں نے اسلامی قانون مسخ کر کے ایک نیا اصول وضع کیا اور اس کے لئے بہت سے نئے انتظامات کیے مثلاً حکمرانی کے اصول و آئین منضبط کر کے چپراسی سے لے کر وائسرائے تک کو اس کا پابند کر دیا اور اس طرح پابند کیا کہ ۳۷ برس کی آزادی کے بعد بھی مرکزی حکومت ان اصولوں سے انحراف نہ کر سکی ۔

دوسرا انتظام یہ کیا کہ فوجداری اور دیوانی کی الگ الگ عدالتیں قائم کر دیں ، پھر

فوجداری عدالت کی نمائندگی کے لئے تھانے قائم کردیئے اور محکمۂ مال کی نمائندگی کے لئے تحصیل بنادی اور ان سب کو مربوط کرنے کے لئے دو قسم کے آئین مرتب کردیئے ،
فوجداروں کے لئے تعزیرات ہند مرتب کردی جس میں چوری ، ڈکیتی ، دھوکہ فریب کا قانون پورے ملک کے لئے یکساں بنا دیا ، چنانچہ چور چاہے مسلمان ہو یا ہندو ، عیسائی ہو یا پارسی سب کو ایک قسم کی سزائیں ملنے لگیں اسی طرح دیوانی کے مالیات کا قانون یکساں نافذ کردیا مگر عائلی مسائل کے لئے ہر فرقے کو اپنے مذہب کے قانون پر عمل کرنے کی آزادی دے دی ۔

اس لئے مسلمانوں کی وراثت ، نکاح طلاق وغیرہ کے مسائل ان کے مذہبی قانون کے مطابق ، اور ہندؤں عیسائیوں کے مسائل ان کے مذاہب کے مطابق طے ہونے لگے ورنہ رسم و رواج کے مطابق فیصل ہونے لگے اس کے لئے انہوں نے شروع میں قاضی مقرر کئے جو اسلامی قانون نافذ کرتے تھے ، اس کے بعد اسے بھی منسوخ کرکے عام عدالتوں کو پابند کردیا کہ وہ مسلمانوں کے صرف عائلی مسائل ان کی مذہبی کتابوں کے مطابق طے کریں اس لئے ہدایہ اور شامی کے حوالے سے عدالتیں فیصلے کرنے لگیں اور جب ان حوالوں میں دشواری پیش آئی تو مختلف اہل علم نے عائلی مسائل کے لئے کتابیں مدون کردیں ان میں سب سے مشہور و معتبر ملا کی کتاب ہے جو ہے تو اک پارسی کی کتاب مگر اس نے نہایت امانت داری سے مسلمانوں کے مسائل ان کے حوالے اور ان کی تشریحات کرکے عدالتوں کا کام آسان کردیا ، ان ہی محدود و مختصر عائلی مسائل کا نام مسلم پرسنل لار پڑگیا ــــ جو آج کل زیر بحث چل رہا ہے ۔

۳

۱۹۴۷ء میں جب ملک تقسیم ہوجانے کے بعد نئے ہندوستان کا دستور بنا تو اسے مجاہدین آزادی نے مرتب کیا تھا اس لئے انہوں نے ہر ہندوستانی باشندوں کو مذہب کی آزادی ،

عمل کی آزادی، زبان کی آزادی بیان کی آزادی عطا کی۔

پھر لسانی اور مذہبی اقلیتوں کا وجود تسلیم کیا اور انہیں زندگی کے تمام بنیادی حقوق عطا کردیئے حتیٰ کہ اسے دستور ہند کا بنیادی حق بنا کر طے کر دیا کہ حکومت کسی مذہب کی نہیں ہوگی قانون تمام مذاہب کا احترام کرے گا اور انہیں نافذ کرے گا اس لئے دستور نے نہ صرف مذہبی فرقوں کو بلکہ قبائل کے رسم و رواج کو بھی آئینی حیثیت دے کر عہدیدار اور انتظامیہ کو پابند کر دیا کہ وہ اس کی مخالفت کریں

دستور ہند کی اس معقولیت اور دور اندیشی کا نام سیکولرزم پڑگیا، اس لئے جہاں مذہبی طور پر اکثریت خود مختار تھی، وہیں پر ہر اقلیت بھی اپنے مذہبی و عائلی مسائل میں آزاد خود مختار اور خود کفیل بنا دی گئی، اور اس آزادی کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت پر ڈال دی گئی یہ تھی ڈھائی سو سالہ کی آئینی تبدیلیوں کی مختصر کہانی جو ۱۹۷۳ء تک ختم ہوگئی۔

۱۹۷۳ء میں حکومت ہند نے اپنے قانون فوجداری میں ترمیم کرکے دفعہ ۱۲۵ کی تشریح فرمائی، اور اس طرح قانون بنا دیا کہ نکاح طلاق، عدت اور نفقہ کا وہ سارا اسلامی قانون منسوخ ہوگیا، جو اب تک مسلم پرسنل لا کے نام سے عدالتوں میں چل رہا تھا، اس میں صرف نفقہ کے مسئلہ پر مسلم ممبران نے احتجاج کیا تو حکومت نے ۱۲۷ کا اضافہ کرکے انکی اشک شوئی فرمادی مگر آہستہ آہستہ ۸۵ تک جب اس قانون نے مختلف عدالتوں کو الجھن میں ڈال دیا تو سپریم کورٹ نے ایسا فیصلہ سنایا جس سے معلوم ہوا کہ حکومت ہند نے ضابطہ فوجداری میں انقلابی تبدیلی کرکے دفعہ ۱۲۵ مرتب کیا تھا اور ۱۲۷ دفعہ کا اضافہ کرکے مسلمانوں کی اشک شوئی کی خوامخواہ کوشش کی تھی، ورنہ اس کی کوئی قانونی بنیاد نہیں ہے، اس طرح دفعہ ۱۲۵ اصل ٹھہری اور ۱۲۷ مہمل ہوگئی اور ویسے بھی یہ طفل تسلی تھی، ورنہ ۱۲۵ کی اصل تشریح جس نے مسلم پرسنل لا کے تمام عائلی مسائل کو تباہ کر دیا تھا، اسے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا تھا ورنہ کسی کو محسوس ہوا تھا کہ حکومت نے کیا

کردیا ہے اور اس کی مار کہاں تک پہنچی ہے ۔ افسوس کز قبیلہ مجنون کسے نماند، حکومت نے دراصل بیوی اور بیٹے کی نئی تعریف کرکے جو اقدام کیا تھا اس میں اس عورت کو بھی بیوی تسلیم کیا تھا جس کو طلاق دیدی گئی ہو یا جس نے خود طلاق لے لی ہو اور اب تک نکاح نہ کیا ہو، اس طرح بیٹا وہ نہیں ہے جو صلبی اولاد ہو بلکہ وہ بھی ہے جو لے پالک ہو وغیرہ ۔

ان دونوں تبدیلیوں نے قدرتاً نفقہ کا مسئلہ پیدا کر دیا ہے کیونکہ جب مطلقہ عورت طلاق کے بعد بھی قانونی بیوی ہے تو اسے عمر بھر نفقہ دینا اس کا قانونی حق ہے، اسی طرح لے پالک ہو یا کوئی لڑکا ہو وہ لڑکا ہے اور وارث ہے تو اس قانون نے اسلام کے قانون وراثت ، قانون نکاح ، طلاق ، عدت نفقہ اور اسلامی خاندان اور معاشرت کو تہس نہس کر دیا تھا اور آج تک وہ اسی طرح قانون ہے اور عدالتوں میں اسی پر فیصلے ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے سپریم کورٹ نے صرف اس کی تشریح کی ہے اور بنانے والے کو داد دی ہے اور صرف یہ ظاہر کر دیا ہے کہ اس کا دائرۂ کار مسلم پرسنل لاء سے بالاتر ہے اور قانون اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا کیونکہ ضابطہ فوجداری عام ہے اور اصلاحی قانون ہے اس لئے جب تک دفعہ ۱۲۵ ضابطہ فوجداری سے مسلمانوں کو مستثنیٰ نہیں کیا جاتا مسلم پرسنل لاء کا جنازہ پارلیمنٹ کے سامنے رکھا رہے گا اور مسلم جماعتیں فاتحہ پڑھتی رہیں گی ۔ وائے گر در پس امروز بود فردائے

۳

کانگریس سرکار نے ایسے کئی قانون وضع کئے ہیں جن سے مسلم پرسنل لاء مجروح ہوا ہے اس لئے اگر ان ضابطوں سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کر دیا جاتا ہے تو مسلمانوں کو اپنا تشخص قائم کرنے کی آزادی حاصل ہو سکتی ہے ورنہ اس "اکال الامم" ہندوستان میں اس کا وجود خطرے میں ہے ، لیکن اگر مسلمان اس سے مستثنیٰ ہو جاتے ہیں تو ضرورت ہوگی کہ کم از کم عائلی مسائل

کے لئے اک ایسا مجموعہ مرتب کردیا جائے جس میں ہر باب کے تمام اصولی مسائل بھی ہوں دلائل بھی حوالہ جات بھی اور اس کے لئے فتاوئ عزیزیہ، فتاوی رشیدیہ، فتاوئ مولانا عبد الحی، کفایت المفتی، فتاوی امدادیہ، فتاوی دارالعلوم، اور فتاوی رحیمیہ، نیز فتاوی محمودیہ سے اتنا مواد اکٹھا ہوسکتا ہے کہ وہ دوسری فتاوی عالمگیری مرتب ہوجائے، جو معتبر بھی ہو مفصل بھی، مدلل بھی، اور یہ کام دارالعلوم دیوبند بھی کرسکتا ہے اس کے وہ فضلاء بھی جو فتاوی کا کام کرتے ہیں، پھر عدالتوں کو کسی غیر مسلم کی کتاب کا حوالہ دینے کی ضرورت نہیں ہوگی اور اسلام کی ایسی دستاویز تیار ہوجاویگی جو ان مسائل پر دوسروں کے شبہات کا ازالہ کرسکے دیکھنا ہے اس کی ترتیب کی توفیق کس کو ہوتی ہے پرسنل لاء بورڈ اور مجلس شرعیہ بھی کاش یہ درد بھری صدا سن سکتے۔

کس بمیداں در نمی آید سواراں را چہ شد

مولانا عزیز اللہ اعظمی
فاضل دیوبند

مسلم پرسنل لاء ماضی و حال کے آئینہ میں

ہندوستان ایک سیکولر کنٹری اور جمہوری ملک ہے، یہاں ہر فرقہ کے لوگوں کو مذہبی آزادی حاصل ہے، اور ایک ترقی پسند ملک کے لئے ضروری ہے کہ اس ملک میں بسنے والے لوگوں کو مذہب کی لائن سے ہر قسم کی آزادی ہو، مذہب اور دھرم کی باتوں پر آزادی سے عمل کر سکتا ہو، حکومت کی جانب سے روک ٹوک نہ ہو، پابندی نہ ہو، سیکولرا ور جمہوریت کا یہی مطلب ہے، جس ملک میں مذہبی آزادی نہیں، مذہب کی باتوں پر عمل کرنے کی اجازت نہیں وہ ملک قطعاً سیکولر نہیں ہو سکتا، اور نہ وہ ملک سائنس اور ٹکنالوجی، معاشی واقتصادی اور تعلیمی و اخلاقی میدان میں ترقی کر سکتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر وقت . . . . RELIGION (مذہب) کا کوئی نہ کوئی مسئلہ حکومت کے سامنے کھڑا رہے گا، جس کا حل کرنا بھی ناگزیر ہوگا، اس طرح حکومت کی ساری طاقت اس سے نمٹنے میں صرف ہو کر رہ جائے گی دوسرے امور اور علم و فنون کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملے گا۔

یہی وجہ ہے کہ جس ملک میں Religion (مذہب) اور مذہبی امور کی چھوٹ ہوتی ہے

اس ملک کو عوام کی ذہنی، فکری، اور تعلیمی و اخلاقی طاقت حاصل ہوتی ہے، اور وہ ملک بہت تیزی سے ترقی کرتا ہے۔

انگریز جب ہندوستان میں آیا اور حکومت پر قابض ہوگیا تو ساتھ ہی عدل وانصاف کی عدالت بھی اس کے ہاتھ میں چلی گئی، اور ہندوستانیوں کے مقدمات برطانوی جج کے ذریعہ طے کئے جانے لگے، انگریزی عدالت کی جانب سے جو فیصلے کئے جاتے وہ سب یکساں ہوتے، اس میں فرقے کی تقسیم نہیں ہوتی عدالت کا یہ رویہ تھوڑے ہی دنوں چلنے پایا تھا، کہ انگریزی ججوں کو اس بات کا احساس ہوا کہ یہ طریقۂ عدل وانصاف غلط ہے، اس ملک میں مختلف نظریے کے لوگ ہیں ہر ایک کے ساتھ یکساں معاملہ کرنا سراسر غلط اور ملکی مصلحت کے خلاف ہے، چنانچہ وارن ہسٹینگز وہ پہلا گورنر جنرل ہے جسے سب سے پہلے احساس ہوا، اور اس نے اپنے ۱۷۷۲ء کے انتظامی منصوبے میں ضلع کے کلکٹر کو ہدایت دی کہ۔

"وراثت، ازدواج، ذات پات اور دیگر مذہبی رواجوں اور طریقوں سے متعلق امور میں مسلمانوں کے معاملات میں قرآن کے اصولوں اور ہندؤں کے معاملات میں شاشتروں کے اصولوں کے مطابق فیصلہ کریں"

"آؤٹ لائنس آف انڈین لیگل ہسٹری کا مصنف اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے،

"دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہندؤں کے معاملات میں ہندو قانون اور مسلمانوں کے معاملات میں اسلامی قانون کا اطلاق کیا جائے" ص ۱۴۴ ج ۱

اسی کتاب کا مصنف "ہندؤں اور مسلمانوں کے ذاتی قوانین" کے عنوان کے تحت لکھتا ہے

"ان تمام دفعات میں جو اپنے زمانہ میں وارن ہیسٹنگز نے بنگال کے انتظام عدل

کے لئے وضع کی تھیں سب سے زیادہ پرمعنی اور دیرپا وہ دفعہ تھی جس نے بعض معاملات میں ہندو قانون کے ہندوؤں پر اور اسلامی قانون کے مسلمانوں پر ہدایت کی تھی تقریباً دوسو سال گذرنے کے بعد آج بھی بہت بڑی حد تک اس اسکیم پر عمل ہو رہا ہے، آج بھی ہندوؤں کے ذاتی قوانین کے ذریعہ ان کے معاملات کا تصفیہ ہوتا ہے۔ جیسے تبنیت، مشترکہ خاندان، قرض داری، بٹوارہ، وراثت، جانشینی، استری دھن عورتوں کی جائداد، نان نفقہ اور مذہبی اوقاف وغیرہ، اسی طرح مسلمانوں پر ازدواج، طلاق مہر، وراثت اور اوقاف وغیرہ معاملات میں اسلامی قانون کا اطلاق ہوتا ہے"۔

وارن ہسٹنگز کی اس پالیسی کو بعد میں آنے والے ہر برطانوی گورنر جنرل اور سپریم کورٹ کے ججوں نے سراہا اور اس پر برابر عمل کرتے رہے اور وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ اس کا کھل کر اعتراف کرتے رہے، چنانچہ ایکٹ آف سٹیلمنٹ ۱۷۸۱ء کی اہم دفعات میں ایک اہم دفعہ یہ بھی تھی، کہ۔

"وراثت، معاہدہ اور جانشینی کے معاملات میں کسی بھی شخص پر محض اس لئے سپریم کورٹ کے اختیار سماعت کا اطلاق نہیں ہوگا کہ وہ کمپنی گورنر جنرل اور کونسل یا کسی برطانوی رعیت کی ملازمت میں تھا"

اس کی وضاحت کرتے ہوئے کتاب مذکور کا مصنف لکھتا ہے۔

"اب ایکٹ آف سٹیلمنٹ کے ذریعہ اس بات کی صراحت کردی گئی تھی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے ان سبھی تنازعات کا تصفیہ جو زمین، یا جائیداد کی وراثت یا جانشینی کے بارے میں ہوں یا فریقین کے درمیان معاہدات یا دیگر معاملات کے بارے میں ہوں مسلمانوں اور ہندوؤں

کے اپنے اپنے قوانین اور مروجہ طریقوں کے مطابق ہوگا۔"

وارن ہیسٹنگز وہ پہلا شخص ہے جس نے انگریزی دورِ حکومت میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے شخصی قوانین کی داغ بیل ڈالی اور آخر تک اس پالیسی پر عمل کرتا رہا۔ لیکن شروع شروع میں اس پالیسی پر عمل کرنے میں برطانوی ججوں کو تھوڑی بہت پریشانی ہوئی وجہ اس کی یہ تھی کہ انگریزی زبان میں دونوں طبقوں کے شخصی قوانین کا کوئی مستقل مجموعہ نہیں تھا اور جو تھا تو سنسکرت اور عربی زبان میں تھا اور انگریز جج اس سے ناواقف تھے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ انگریزی زبان میں دونوں طبقوں کے شخصی قوانین کے مستند اور معتبر مجموعے تیار کرائے جائیں جن کی روشنی میں برطانوی جج فیصلہ کر سکیں۔ اس کام کے لئے ۔ ۔ ۔ وارن ہیسٹنگز نے بنگال کے قابل ترین دس پنڈت بلائے، ہندو قانون کی مستند ترین قدیم و جدید کتابیں جمع کی گئیں اور سنسکرت زبان میں ہندو کوڈ کے نام سے ایک مجموعہ تیار کرایا گیا پھر اسے فارسی میں منتقل کرایا گیا اس کے بعد نتھنیل براسی ہیلہیڈ نے انگریزی میں ترجمہ کیا اور ہیلہیڈ کا مجموعہ قانون ہنود سے مشہور ہوا۔

ہندو قانون کے بالمقابل اسلامی قانون کے ایک مجموعہ کی ضرورت تھی اس کے لئے یہ تجویز پاس ہوئی کہ ہدایہ کا جو بہت جامع اور احکام شرعیہ کو حاوی ہے ترجمہ کیا جائے لہذا چار عالموں نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا اور پھر ہیملٹن نے فارسی ترجمہ کو انگریزی میں منتقل کیا اس طرح اس وقت ہندو اور اسلامی قانون کے دو مجموعے مرتب ہو گئے تھے۔

تاہم وارن ہیسٹنگز کے زمانہ میں شخصی قوانین کے سلسلہ میں جو پیش رفت ہوئی اسے عدالت کی لائن سے تو عملی جامہ پہنا دیا گیا لیکن دونوں طبقوں کے ذاتی قوانین کی تدوین و تحقیق کا جو نیا سلسلہ شروع ہوا تھا اس میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی البتہ بعد کے زمانے میں اس پر بہت کام ہوا اور ہندو اور اسلامی قانون کے بارے میں

کئی ایک کتابیں لکھی گئیں۔

کلکتہ سپریم کورٹ کے جج جونس جسکا قیام ہندوستان میں پانچ سال تک رہا ہے ایک زبردست ماہر لسانیات تھا اس نے اپنے قیام کے دوران ہندوستانی طور طریقوں اور قوانین کا مطالعہ کیا اور ہندو مسلم شخصی قوانین کی حفاظت کی ان الفاظ میں پرزور تائید کی:۔

"اس سے زیادہ اور کوئی معقول بات نہیں ہوسکتی کہ آپسی تنازعات کا تصفیہ ان قوانین کے مطابق کیا جائے جنہیں ہمیشہ متعلقہ فریقین نے زندگی کے طور طریقہ اور روزمرہ کے معاملات میں قابل اطلاق اصولوں کی حیثیت دی ہو، اور نہ ہی اس سے زیادہ کوئی ہوش مندی کی بات ہوگی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو بذریعہ قانون اس بات کی ضمانت دی جائے کہ ان کے شخصی قوانین کی جن کا وہ احترام کرتے ہیں اور جن کے خلاف کسی قسم کی دست درازی کو وہ انتہائی تکلیف دہ زیادتی سمجھیں گے، حفاظت کی جائے، اور اس کی جگہ کسی ایسے نئے نظام وطن کو ان پر مسلط نہ کیا جائے جس سے وہ کوئی واقفیت نہ رکھتے ہوں، اور جس کے بارے میں وہ یہ سمجھیں کہ اسے ان پر سختی اور عدم رواداری کے جذبہ سے مسلط کر دیا گیا تھا"۔

جونس نے جہاں ہندو مسلم شخصی قوانین کی پرزور تائید کی وہیں پر قوانین کی تحقیق و تدوین کے کام کو بھی آگے بڑھایا، اس کی تجویز تھی کہ۔

"جسٹینین کے بیش قیمت مجموعات یعنی پینڈکٹس کے نمونہ پر ہندو اور اسلامی قانون کے ایسے مجموعے تیار کرائے جائیں جو اپنی جگہ مکمل ہوں ان کی تیاری نہایت لائق ترین ہندوستانی ماہرین کریں، اور ان کا صحت

کے ساتھ انگریزی زبان میں لفظ بہ لفظ ترجمہ کیا جائے اگر ان مجموعات کی نقلیں صدر دیوانی اور سپریم کورٹ کے دفتر میں رکھ دی جائیں اور انہیں مہیا انصاف مان کر بوقت ضرورت ان کی طرف رجوع کیا جائے تو ہمیں اپنے سامنے آئے ہوئے مقدمات کے لئے شاید ہی کبھی قانون کے قابل اطلاق اصولوں کی کم مائگی کا احساس ہو، کیونکہ مجموعات کی موجودگی میں یہ پتہ لگانا کہ قانون کے کون سے اصول نفاذ میں ہیں، بہت آسان ہے"۔

جونس کے بعد اس میدان میں بہت ترقی ہوئی اور ہندو مسلم شخصی قوانین پر اعلیٰ معیار کی متعدد کتابیں لکھی گئیں، جن میں چند یہ ہیں۔

۱ کنسڈریسنس اپان ہندو لار (ہندو قانون پر ایک نظر) ۱۸۲۴ء
مصنفہ، سر فرانسس (جج سپریم کورٹ)

۲ پرنسپلس اینڈ پریسیڈنٹس آف ہندو لار (ہندو قانون کے اصول و نظائر) ۱۸۲۹ء
مصنفہ. سر ولیم ہے میکنائل

۳ پرنسپلس اینڈ پریسیڈنٹس آف محمڈن لار (اسلامی قانون کے اصول و نظائر) ۱۸۲۵ء
مصنفہ: سر ولیم ہے میکنائن

۴ ہندو قانون و رواج ——— مصنفہ ۔ مین

۵ لار آف انہرینٹس ——— مصنفہ ۔ نیل بیلی
(قانون وراثت)

غرض کہ برطانوی دور اقتدار میں مسلمانوں کے معاملات ان کے اپنے قانون کے مطابق تو طے کئے جاتے ہی تھے آزادی کے بعد بھی اسی پالیسی پر عمل ہوتا رہا ہے اور ان کے فیملی مسائل پر . . .

Muslim Family LAW کا اطلاق اب بھی کیا جاتا ہے ۔

دستور ہند اور مسلم پرسنل لاء

دستور ہند کی رو سے ہندوستان ایک سیکولر اور جمہوری ملک ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان کا کوئی خاص سرکاری مذہب نہیں وہ تمام مذاہب کی عزت کرتا ہے، ان کے پیرؤوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اپنے یقین و اعتماد کے مطابق عبادت کرنے کی مکمل آزادی ہے۔

ہندوستانی دستور کی دفعہ ۲۵ (۱) :-

"تمام اشخاص کو آزادی ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اسکی پیروی اور تبلیغ کرنے کا مساوی حق ہے بشرطیکہ امن عامہ، اخلاق عامہ، صحت عامہ اور اس حصہ کی دیگر توضیحات متاثر نہ ہوں"۔

(بھارت کا آئین مذہب کی آزادی کا حق ص۴۶)

کے مطابق عوام کو آزادی سے مذہب اختیار کرنے، اس کی تبلیغ و اشاعت اور اس پر عمل کرنے کا مساوی حق حاصل ہے، شرط یہ ہے کہ امن عامہ وغیرہ کو کوئی خطرہ نہ ہو، اسی طرح دستور ہند کی دفعہ ۱۳ (۲) :-

"مملکت کوئی ایسا قانون نہیں بنائے گی جو اس حصہ سے عطا کئے ہوئے حقوق کو چھین لے یا اس میں کمی کرے، اور کوئی قانون جو اس فقرہ کی خلاف ورزی میں بنایا جائے۔ خلاف ورزی کی حد تک باطل ہوگا"

ایضا (بنیادی حقوق ص۳۸)

کے مطابق حکومت کوئی ایسا قانون نہیں بنائے گی، جو عطا کئے ہوئے حقوق (مثلاً مذہبی امور کی آزادی وغیرہ) کو چھین لے یا اس میں کمی کرے، اگر کوئی قانون کسی بنیادی حق کو متاثر کرتا ہے، تو وہ غیر آئینی قرار پائے گا، چنانچہ ہمارے سامنے اس کی کئی ایک مثالیں موجود ہیں۔

(۱) سپریم کورٹ نے صغیر احمد بنام اتر پردیش سرکار۔ 728 ,C ,1954 ,R ,I ,A وغیرہ

اور دیپ چند بنام اتر پردیش سرکار ـــ 668 و c و 1950S و R و اور A
میں اسی فیصلہ پر عمل کرتے ہوئے ان قوانین کے غیر آئینی ہونے کا اعلان کیا تھا جو بنیادی حقوق کو متاثر کرتے تھے ......

۲ اور آخر میں سپریم کورٹ نے کیشو رچند بھارتی بنام کیرل سرکار 1973S و R و اور A 1491 و c. کے فیصلہ میں ایک اصول مرتب کیا جس نے پارلیمنٹ کے ذریعہ بنیادی حقوق کو متاثر کرنے والی کسی بھی تبدیلی کا دروازہ بند کر دیا اس فیصلہ میں سپریم کورٹ نے

DOCTRINE , OF , BASIC STRUCTURE,

مرتب کیا جس کے مطابق پارلیمنٹ، دستور کی ان پانچ بنیادی باتوں کو کسی بھی تبدیلی کے ذریعہ ختم نہیں کرسکتی جن پر دستور کے بنیادی ڈھانچہ کا انحصار ہے، ان پانچ باتوں میں ایک دستور کی سیکولر شکل بھی ہے، اس طرح دفعہ ۴۴ کو بنیاد بنا کر جو بھی قانون بنے گا وہ غیر آئینی ہوگا اس لئے کہ وہ مذہبی آزادی کے بنیادی حقوق کو متاثر کرتا ہے ـ

۳ اسی طرح سپریم کورٹ نے ۱۹۸۰ء میں کرشنا سنگھ بنام متھرا ہیرے کے مقدمہ میں الٰہ آباد ہائی کورٹ کے جسٹس کیری کو یہ کہتے ہوئے متنبہ کیا گیا کہ ہماری رائے میں ہائی کورٹ کے جسٹس نے یہ بات سامنے نہیں رکھی کہ دستور ہند کی .....

فریقین کے پرسنل لا کو بحث کا موضوع نہیں بنائے گا، فریقین کے پرسنل لا کا نفاذ کرتے ہوئے وہ (جج) اپنے خیالات کا اظہار نہیں کرسکتے، بلکہ انہیں ہندو پرسنل لا کے مستند اور مسلم قوانین کا ہی نفاذ کرنا چاہیئے، دیکھئے S و c و 1980 و R و اور A ـ

دستور ہند کی واضح دفعات اور مسلم پرسنل لا کے بارے میں سپریم کورٹ کی سابقہ پالیسی کا پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں تمام مذاہب کے لوگوں کو مکمل مذہبی آزادی ہے اپنے اپنے مذہب اور دھرم پر پوری آزادی سے عمل کرسکتے ہیں، سرکار اس میں کوئی مداخلت نہیں کرے گی اور نہ کوئی ایسا قانون ہی بنائے گی جس سے عطا کردہ حقوق متاثر

ہوتے ہیں۔

عدالت اور مسلم پرسنل لار آزادی کے پہلے اور آزادی کے بعد ہندوستان کی عدلیہ اس بات کی مکلف تھی کہ وہ مسلمانوں کے فیملی مسائل میں خود ان کے مذہب کے قانون کے مطابق فیصلہ کرے، مذہب سے ہٹ کر قطعاً کوئی فیصلہ نہ کرے، چنانچہ انگریزی دور حکومت میں پریوی کونسل نے اپنے زیر بیں عدالتوں کو ایک حکم نامہ کے تحت بتایا کہ۔

وہ فقہاء اور علماء کی توضیحات وتشریحات کے مطابق ہی فیصلہ کریں خود قرآن و حدیث کی تشریح نہ کریں دیکھئے۔ A, I, R, 1898

آزادی کے بعد بھی عدلیہ اسی اصول پر کاربند رہی جیسا کہ کرشنا سنگھ بنام متھرا ہیرے کے مقدمہ سے پتہ چلتا ہے۔

موجودہ سپریم کورٹ اور مسلم پرسنل لار ان واضح دفعات اور نظائر کے پیش نظر سپریم کورٹ نے مطلقہ عورت کے نان نفقہ کے بارے میں جو فیصلہ دیا ہے وہ غیر آئینی ہے اور اس سلسلہ میں قرآن کریم کے جس انگریزی ترجمہ کا سہارا لیا گیا ہے، وہ بالکل غیر معتبر ہے، اور خود دوسرے انگریزی ترجمے کے مخالف ہے، جج محترم کو چاہیئے تھا کہ قرآن کے کسی مستند اور معتبر ترجمہ کو سامنے رکھتے، یا کم از کم مسئلہ کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ہندوستان کے مستند علماء کی رائے معلوم کرلی جاتی اس کے بعد فیصلہ دیا جاتا کہ۔ مگر افسوس کہ کسی پر عمل نہ کیا گیا، بلکہ شاید کسی سمجھے بوجھے منصوبے کے تحت ایسا فیصلہ دیا گیا، جو ہر پہلو سے غیر آئینی قرار پایا۔

حاصل یہ کہ سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ اسلامی قانون کے خلاف تو ہے ہی ساتھ ہی ساتھ سپریم کورٹ کے سابقہ فیصلوں اور دستور ہند کے بھی خلاف ہے، پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر حکومت کیوں خاموش ہے، اور سپریم کورٹ کے اس غیر آئینی فیصلہ پر خاموشی

کی شکل میں رضامندی کا اظہار، اور دستور ہند کی دفعہ ۲۵ (۱) کو پامال کرکے عوام کے اعتماد کو ختم کررہی ہے، بفرض محال اگر حکومت اس فیصلہ کو واپس نہیں لیتی یا مسلمانوں کو مستثنیٰ نہیں کرتی ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ عملاً دفعہ ۱۳ (۲) اور دفعہ ۲۵ (۱) کو باطل اور کالعدم قرار دیتی ہے، اور عوام کو عطا کردہ حقوق سے محروم کرکے ایک غیر جمہوری حکومت کا اعلان کرتی ہے جو دستور ہند کی رو سے سراسر غلط ہے

مسلم پرسنل لا اور باطل طاقتیں

مخالفین کی یہ دلیل کہ مسلم پرسنل لا اگرچہ شریعت سے متعلق ہے لیکن جس طرح اس سے قبل CRIMINAL LAW (قانون فوجداری) ختم کیا جا چکا ہے، اسی طرح مسلم پرسنل لا کو بھی ختم کیا جا سکتا ہے، بالکل بے جوڑ اور بے وزن ہے، اس کے چند وجوہ ہیں (۱) پہلی بات یہ کہ CRIMINAL LAW اور MUSLIM FAMILY LAW میں بڑا فرق ہے، ایک کا تعلق حکومت سے ہے اور ایک کا تعلق انسان سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ FAMILY LAW کے خاتمے سے انسان کی معاشرتی اور اخلاقی حالت متاثر ہوتی ہے جبکہ CRIMINAL LAW مجرموں اور غیر سماجی عناصر کو متاثر کرتا ہے اس لئے اس کے خاتمہ کو FAMILY LAW کے خاتمے کی بنیاد بنانا کسی طرح ٹھیک نہیں ہے۔

۲ دوسری بات یہ ہے کہ ۱۸۶۲ء میں اسلام کے CRIMINAL LAW کو ختم کرکے جو INDIAN PENAL LAW بنا اس میں مسلمانوں کے نکاح، مہر، طلاق ہبہ اور وراثت جیسے عائلی مسائل کا فیصلہ MUSLIM FAMILY LAW کے مطابق ہی کیا گیا، اور آزادی کے بعد بھی اسی پر عمل ہوتا رہا ہے۔

۳ تیسری بات یہ ہے کہ مسلم پرسنل لا میں جب کبھی تبدیلی کا مسئلہ سامنے آیا تو سب سے پہلے مسلم عوام کی رائے عامہ معلوم کی گئی اگر رائے عامہ، تبدیلی کے حق میں ہے، تب تبدیلی کی گئی ورنہ نہیں، اور نیز اس وقت حکومت کی بھی ذمہ داری ہوتی ہے، کہ وہ تبدیلی اور

عدم تبدیلی کے بارے میں مسلم عوام کی رائے عامہ کا پتہ لگائے۔

آوٹ لائنس آف لیگل ہسٹری کا مصنف لکھتا ہے۔

"اسلامی قانون میں تبدیلی کے لئے حکومت ہند اپنی طرف سے کوئی پیش قدمی اس وقت تک نہیں کر سکتی جب تک کہ ایسی تبدیلی کی حمایت میں خود مسلمانوں کی طرف سے ایک مضبوط رائے عامہ تیار نہ ہو۔ (ص ۱۰۵۸/۲)

چنانچہ ۱۹۳۹ء میں مسلم عوام کی مانگ پر حکومت نے

DISSOLUTION OF MUSLIM MARRIAGES ACT

بنایا جس میں وہ GROUNDS بنائے گئے جن کی وجہ سے عورت عدالت کے ذریعہ فسخ نکاح کرا سکتی ہے، اس قانون کے ماخذ قرآن، حدیث اور اجماع و قیاس تھے۔

پھر یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ آخر سپریم کورٹ نے مطلقہ عورت کے نان نفقہ کے بارے میں ایسا فیصلہ کیوں دیا جس سے دستور ہند کی دفعات ٹوٹیں، کسی کے مذہب پر براہ راست ضرب پڑے، حکومت سے عوام کا اعتماد اٹھے، اور خود سپریم کورٹ کی عظمت اور اہمیت لوگوں کے دلوں سے اٹھ جائے، پھر ستم بالائے ستم یہ کہ حکومت اس فیصلہ پر جب کہ ہر طرح سے واضح ہو چکا ہے کہ غیر آئینی اور غیر اخلاقی ہے، ہاتھ پر ہاتھ دھرے خاموش بیٹھی ہے اور سکوت کی شکل میں رضامندی کا ثبوت دے رہی ہے۔

ایسی صورت میں حکومت کے بارے میں ہندوستانی مذاہب کے لوگ عموماً اور مسلمان خصوصاً کیا رائے رکھ سکتے ہیں، ظاہر ہے۔ حکومت سے ہم پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ دفعہ ۱۲۵ میں ترمیم کرے یا مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ کر کے مسلم پرسنل لاء کو بحال رکھے ورنہ ہم یہ سوچنے پر مجبور ہونگے کہ حکومت کا ذہن مسلمانوں کی طرف سے صاف نہیں ہے لیکن اسے بھی یاد رکھا جائے کہ مذہب اور دھرم بلا تفریق ہر ایک کو جان سے زیادہ پیارا ہوتا ہے، آدمی مذہب پر جان قربان کر سکتا ہے۔ مگر مذہب قربان نہیں کر سکتا، مسلمان

مذہب پر کسی قسم کی آنچ آنے نہیں دے گا، جان کی بازی آئے گی، جان دے دیگا تن من دھن سب کچھ قربان کردے گا۔

انتباہ واختتام | شاید یہ فلسفہ قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے کہ جب کسی قوم کی صورت مسخ کرنی ہوتی ہے یا اس کا وجود ختم کرنا ہوتا ہے۔۔

۱ توسب سے پہلے اس کے نظریات و عقائد پر چور دروازہ سے حملہ کیا جاتا ہے، اور اس کے جزوی، کلی بنیادی و غیر بنیادی مسائل و عقائد پر مخفی کاری ضربیں لگائی جاتی ہیں، اس کے لیے کبھی زبان وقلم کا سہارا لیا جاتا ہے، کبھی حکومت کی خاص مشینری کو آلہ کار بنایا جاتا ہے، اور کبھی عدل وانصاف کے ایوان کی راہ سے۔

۲ کبھی تعلیم کی راہ سے کمزور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، تعلیم کا خاص انتظام نہیں کیا جاتا اعلیٰ تعلیم کے مواقع بہت کم فراہم کئے جاتے ہیں پھر حصول تعلیم کے بعد جگہ نہیں دی جاتی حکومت کی اس سرد مہری سے قوم مایوس ہوکر تعلیم کی طرف خاص توجہ نہیں دیتی، نتیجتاً قوم کے نونہال بچے تعلیم سے کورے ہوتے ہیں، جب کہ ایک ترقی پسند قوم کے لئے اعلیٰ تعلیم کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ تعلیمی وثقافتی میدان میں نمایاں خدمات انجام دے سکے۔

۳ قوم کی ترقی میں معاش اور اقتصاد کو کافی دخل ہے، اچھی اقتصادی پوزیشن ایک ترقی یافتہ قوم کی علامت ہے۔ اقتصادی پوزیشن اچھی ہے تو زندگی کے ہر میدان میں آگے بڑھ سکتی ہے، کمزور کرنے کے لئے اس حربہ کو بھی استعمال کیا جاتا ہے بڑھتی ہوئی قوم کو اقتصادی مسائل میں الجھا کر ترقی روک دی جاتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ روز بروز کمزور ہوتی جاتی ہے، اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کی تمام تر صلاحیت معاشی مسائل کے حل میں فنا ہوکر ختم ہو جاتی ہے۔

۴ اور جب ان باتوں کا ردعمل خاطر خواہ ظاہر نہیں ہوتا اور مقصد میں کامیابی نہیں

ہوتی ہے، تو براہ راست مذہب پر حملہ کیا جاتا ہے اور پیہم ضرب لگائی جاتی ہے تاکہ قوم اکتاکر تبدیلی، مذہب یا اپنا دھرم بچانے کے لئے ملک بدر ہونے پر مجبور ہو جائے۔

آج جو کچھ ہندوستان میں ہو رہا ہے وہ ایک منظم سازش اور منصوبہ بند اسکیم کے تحت ہو رہا ہے، مسلم رہنماؤں لیڈروں اور عوام کا ان سے واقف ہونا اور ان سے حفاظت کی تدبیر کرنا وقت کا سب سے اہم فریضہ ہے۔

ڈاکٹر ماجد علی خان
جَامِعَۃُ مِلِّیَہ اِسلَامِیَۃ
نئی دہلی

شریعت ایکٹ یا مسلم پرسنل لاء اور اسمیں تبدیلی کے مطالبہ کے پس پشت اسباب و محرکات

مسلمان کی زندگی میں شریعت کی اہمیت اسلام ایک مکمل مذہب، اللہ کا آخری پیغام اور تا قیامت نا قابل ترمیم ضابطۂ حیات ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط
(المائدۃ - آیۃ ۳)

آج کے دن تمہارے دین کو میں نے تمہارے لئے کامل کردیا اور میں نے تم پر اپنا انعام مکمل کردیا اور میں نے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے پسند کرلیا۔"

ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ
(آل عمران آیۃ ۱۹)

بلاشبہ دین (حق اور مقبول) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

اسلام چند مخصوص مذہبی عبادات کے ادا کرلینے اور چند رسومات کے بجالانے

کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ زندگی کے ہر شعبہ کے لئے ضابطے اور قوانین پیش کرتا ہے، ان تمام ضوابط و قوانین کو جو اس دین خداوندی نے انسان کو اس کی عبادات، مناکحات، معاملات عقوبات، معاشرت، معاشیات، سیاسیات اور وراثت وغیرہ کے سلسلہ میں عطا کئے ہیں شریعت کہتے ہیں جس کی بنیاد قرآن وسنت ہے اور جس کے ماخذ قرآن وسنت اجماع و قیاس یا استحسان واستصلاح یا استدلال وتعامل وغیرہ ہیں، شریعت اسلامیہ میں اللہ تعالیٰ کو ہی فرماں روائے حقیقی تسلیم کیا گیا ہے، اور اسی کو حلال وحرام کا اختیار کلی حاصل ہونے کا عقیدہ بنیادی عقیدہ مانا گیا ہے، غیر اللہ کو یہ اختیار نہیں دیا گیا ہے، کہ وہ کسی چیز کو حلال اور کسی کو حرام قرار دے سکے:۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ :۔

(النحل - آیت ۱۱٦)

اور جن چیزوں کے بارے میں محض تمہارا جھوٹا زبانی دعویٰ ہے ان کی نسبت یوں مت کہا کرو کہ فلانی چیز حلال ہے اور فلانی حرام، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگا دوگے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ""

(الروم آیت ۳۰)

پس تم یکسو ہوکر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو، (اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو) جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی فطرت میں جس پر اس نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے، کوئی تبدیلی نہیں، یہی سیدھا دین ہے ""۔

اللہ تعالیٰ صاف صاف ارشاد فرماتا ہے کہ صرف اسی چیز کی اتباع کرنی چاہیے جسکو اس نے بذریعہ وحی انسانوں کی طرف اتارا ہے۔

اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (الاعراف ۔آیت: ۳)	تم سب لوگ (صرف) اس (شریعت) کا (ہی) اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے نازل کی گئی ہے اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں (اور دنیاوی دوستوں) کا اتباع مت کرو"۔

شریعت خداوندی کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو صاف صاف یہ حکم دیتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف اس کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ فرمائیں۔

وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۔ (المائدۃ ۔آیت: ۴۹)	(اے رسول!) (ہم آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اس (قانون) کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشوں پر عمل درآمد نہ کیجئے اور ان کی اس بات سے ہوشیار رہیئے کہ وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی حکم سے پھلا دیں"۔

نہ صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بلکہ کسی مسلمان کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام و قوانین کی موجودگی میں اپنی پسند سے دوسرا قانون بنائے یا کوئی دوسرا راستہ اپنی خواہش سے اختیار کرے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ　　اور کسی مومن مرد یا عورت کو گنجائش نہیں

إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ (الاحزاب آیت ۳۶)

ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ؐ کسی کام کا حکم دیدیں، تو اپنے اس معاملہ میں (پھر) کوئی اختیار باقی رکھیں، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ؐ کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہوجائیگا

غرض قرآن مجید کی متعدد آیات اس امر کی وضاحت کرتی ہیں کہ اللہ اور اس کے احکامات کے مقابلے میں کسی کو اپنی رائے دینے کا اختیار نہیں ہے اور یہ کہ احکامات خداوندی کی خلاف ورزی صریح گمراہی ہے اور ناقابل معافی جرم ہے، اطاعت کے معاملے میں اللہ اور اس کے رسول ؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکامات یکساں اہمیت کے حامل ہیں، قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ (النساء۔ آیت ۸۰)

جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالےٰ کی (ہی) اطاعت کی۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ۔ (النساء، آیت: ۶۴)

ہم نے جو بھی رسول بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ خدا کے حکم کے ماتحت اس کی اطاعت و فرماں برداری کی جائے۔

ایک جگہ ارشادات نبوی کو صرف تسلیم کرلینے اور مان لینے کو ناکافی قرار دے کر خدائے تعالےٰ مسلمانوں سے اس سے زیادہ کا مطالبہ کرتا ہے اور اس کو کوئی چھوٹا موٹا حکم قرار نہیں دیتا بلکہ مدار ایمان قرار دیتا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

آپ کے رب کی قسم وہ لوگ ہرگز اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک

ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ٥ (النساء ۔آیت :- ۶۵)	کہ تجھ کو منصف نہ مانیں ان جھگڑوں میں جوان کے درمیان پیدا ہوتے ہیں، پھر نہ پائیں وہ اپنے دلوں میں تنگی آپ کے فیصلہ کی وجہ سے اور بسرو چشم تسلیم کریں "۔

قرآن کریم میں اس مضمون کی متعدد آیات وارد ہوئی ہیں جن میں یہ وضاحت کردی گئی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم دراصل اللہ کے حکم کے تحت ہی ہے اور آپ کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے ۔ سنت دراصل قرآن ہی کی شرح وتفسیر ہے، علامہ شاطبی لکھتے ہیں ۔

فَكَانَ السُّنۃ بمنزلۃ التفسیر و الشرح لمعانی احکام الکتاب (الموافقات ص۱۰)	پس گویا سنت کتاب اللہ کے احکام کے لئے بمنزلہ تفسیر اور شرح کے ہے ۔

حافظ ابن کثیر نے فضائل القرآن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کو نقل کیا ہے

انما ترك مابین الدفتین یعنی القرآن والسنۃ مفسرۃ ومبینۃ وموضحۃ ای تابعۃ والمقصود الاعظم کتاب اللہ تعالی . (فضائل القرآن لابن کثیر ص۲۱)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف وہی کتاب (قرآن مجید) ہمارے لئے چھوڑی ہے جو (جلد کے) دو گتوں کے درمیان موجود ہے اور سنت اس کے بیان وتوضیح وتفسیر کے لئے ہے اصل مقصود قرآن مجید ہی ہے"

ملا علی قاری لکھتے ہیں ۔

سعادۃ الدارین منوطۃ بمتابعۃ کتاب اللہ و متابعتہ موقوفۃ علی معرفۃ سنۃ رسولہ علیہ الصلوۃ	دنیا وعقبیٰ کی کامیابی کا راز کتاب اللہ کی تابعداری میں مضمر ہے اور کتاب اللہ کی تابعداری موقوف ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری اور آپ کی طرز زندگی کو

والسلام و متابعته فهما متلازمان شرعا لاینفك احدهما عن الاخر۔ (مرقاۃ۔شرح مشکوٰۃ ص۲۱۳)

پہچاننے اور اس پر عمل پیرا ہونے پر پس کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ از روئے شریعت آپس میں لازم و ملزوم ہیں، ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے"۔

غرض شریعت اسلامیہ کی بنیاد قرآن و سنت پر ہے، اور اس شریعت کی اتباع اور اس کے مطابق اپنے تمام کام انجام دینا اور زندگی کے تمام شعبوں میں اس پر عمل پیرا ہونا ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب اور ضروری ہے، احکام شرعیہ کے خلاف یا اس کے مقابلے میں دوسرے احکامات کو تسلیم کرنا کفر کی علامت ہے جس سے بچنا ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے ضروری ہے، اسی طرح جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اس کے بھیجے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے انہیں کافر، ظالم اور فاسق کہا گیا ہے اور جو لوگ دین کے ایک جز یا حصے کو اختیار کرتے ہیں، اور دوسرے جز یا حصے کو ناقابل عمل سمجھتے ہیں، یا چھوڑ دیتے ہیں ان کے بارے میں سخت وعید وارد ہوئی ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (البقرۃ آیت: ۸۵)

کیا تم (اللہ کی) کتاب کے ایک حصہ پر ایمان لاتے ہو، اور دوسرے حصے سے انکار کرتے ہو اور تم میں سے ایسے شخص کی سزا دنیاوی زندگی میں رسوائی کے علاوہ کچھ نہیں اور (ایسے لوگ) قیامت کے دن سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے کچھ بے خبر نہیں ہے۔

اس طرح تمام احکامات شرعیہ پر عمل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب اور

ضروری ہے۔

شریعت ایکٹ یا مسلم پرسنل لاء: جب مسلمان اس ملک میں فاتح قوم کی حیثیت سے داخل ہوئے تو انہوں نے شرعی احکامات کا نفاذ کیا، مغلیہ دورِ حکومت میں بھی اس ملک کا قانون شرعی قانون یا اسلامی قانون ہی تھا، نہ صرف دیوانی (سول/ CIVIL) قوانین بلکہ فوجداری قوانین (CRIMINAL LAW) بھی شرعی قوانین ہی تھے، اور ان ہی کے مطابق ملک کی عدالتوں میں فیصلے دیئے جاتے تھے، اس ملک میں بسنے والی غیر مسلم اقوام کے پاس اس وقت کوئی باضابطہ و مدون قانون نہیں تھا بلکہ چند رسومات (رول) تھے جو ان میں رائج تھے، اور ان کو شادی، وراثت اور جائداد وغیرہ میں ان رسومات (رواج) کو اختیار کرنے اور اپنے مذہب کے مطابق چلنے کی اجازت تھی، ان غیر مسلم (یعنی ہندو) اقوام کے اندر عورت کو سماج میں گراہوا درجہ حاصل تھا، یہاں تک کہ بیوہ عورت کو اکثر اس دنیا میں اپنے حق سے محروم کر دیا جاتا تھا، اور اکثر اس کے اپنے پتی (شوہر) کی چتا میں جل کر مرجانے یعنی ستی ہونے پر مجبور کیا جاتا تھا، برہمنی زمانہ اور تہذیب میں عورت کا وہ درجہ نہیں رہا تھا جو ویدی زمانہ میں تھا، منو کے قانون میں (بقول ڈاکٹر لی بان) عورت ہمیشہ کمزور اور بے وفا سمجھی گئی ہے (ور اس کا ذکر ہمیشہ حقارت کے ساتھ آیا ہے، [1] "شوہر مرجاتا تو عورت گویا جیتے جی مرجاتی اور زندہ درگور ہو جاتی، وہ کبھی دوسری شادی نہیں کر سکتی، اس کی قسمت میں طعن و تشنیع اور ذلت و تحقیر کے سوا کچھ نہ ہوتا، بیوہ ہونے کے بعد اپنے متوفی شوہر کے بعد گھر کی لونڈی اور دیوروں کی خادمہ

---

[1] تمدن ہند، ص ۲۳۶ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر) از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ص ۶۶).

عمل کرنا پڑتا، اکثر بیوائیں اپنے شوہروں کے ساتھ ستی ہو جاتیں، ڈاکٹر لی بان لکھتا ہے، بیواؤں کو اپنے شوہروں کی لاش کے ساتھ جلانے کا ذکر منوشاستر میں نہیں ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم ہندوستان میں عام ہو چلی تھی، کیونکہ یونانی مورخوں نے اس کا ذکر کیا ہے "۲۵ غرض غیر مسلم ہندو اقوام کے پاس کوئی باضابطہ قانون نہیں تھا بلکہ چند رسم ورواج تھے، جن کی مسلمان بادشاہوں نے ان کے شادی بیاہ وجائداد وغیرہ یعنی ذاتی زندگی یا پرسنل لائف (PEARSONALL iFE) میں عمل کرنے کی اجازت دے دی تھی اور گویا یہی ان کا پرسنل لاء (PARSONAL LAW) تھا جب کہ شریعت اسلامیہ کے قوانین ملکی قوانین کی حیثیت رکھتے تھے۔

انگریزی اقتدار کے شروع میں انگریز جج مقامی قانون دانوں کی مدد سے اسلامی قوانین کے مطابق فیصلے کرتے رہے لیکن بعد میں انہوں نے آہستہ آہستہ اپنا قانون نافذ کرنا شروع کیا اور اسلامی قوانین رفتہ رفتہ نظر انداز کرنے شروع کر دیئے ان کی یہ پالیسی ۱۸۶۲ء میں کھل کر سامنے آگئی جب کہ انہوں نے اسلامی فوجداری قوانین (CRIMNAL LAW) کا پوری طرح خاتمہ کر دیا اور اس کی جگہ اپنے قوانین نافذ کر دیئے ان قوانین کا نام انہوں نے انڈین پینل کوڈ (iNDIAN PENAL CODE) رکھا، انگریزوں کا رکھا ہوا یہ نام آج بھی اسی طرح موجود ہے اور ہندوستان کے فوجداری قوانین کو انڈین پینل کوڈ (INDIAN, PENAL, CODE) کے نام سے ہی موسوم کیا جاتا ہے، یہ تھی انگریز کی اسلامی قوانین پر کاری ضرب، اس طرح انگریز اس ملک میں اسلامی شریعت کو کو منقسم کرنے میں کامیاب ہو گئے، اور اسلام کا تعلق صرف نکاح، طلاق، وراثت اور ہبہ وغیرہ ذاتی، شخصی اور عائلی امور تک ہی محدود رکھا گیا اس وقت مسلمان انگریز کی اس

---

۲۵ تمدن ہند ص ۲۳۸ (حوالۂ مذکورہ ص ۶۷)

چال کو نہیں سمجھ سکا کہ وہ اسلام جیسے کامل اور جامع مذہب کو دو حصوں میں منقسم کر چکا ہے اور اس کا دائرہ محدود کر کے صرف گھر اور خاندان تک لے آیا ہے گویا کہ اسلام کی تعلیمات صرف نکاح، طلاق، وراثت اور ہبہ وغیرہ تک ہی محدود ہیں اور اس کو دیگر معاشرتی، معاشی اور تجارتی امور وغیرہ سے کوئی سروکار نہیں، اسلام کے متعلق یہ محدود تصور آج بھی ذہنوں میں موجود ہے، ایک صدی تک اس ملک میں اس محدود تصور کے قائم رہنے کے بعد اب جب یہ آواز اٹھائی جاتی ہے کہ اسلام ایک جامع نظام حیات پیش کرتا ہے، اور اسلامی قوانین کا تعلق زندگی کے تمام شعبوں اور امور سے ہے تو غیر مسلم تو غیر مسلم خود مسلمان اس آواز کو اجنبی محسوس کرتے ہیں اور یہ یقین نہیں کر پاتے کہ واقعتاً اسلام ایک مکمل ترین مذہب اور جامع ترین نظام حیات ہے اس بات کو سن کر ان کے چہرے پر ایک سوالیہ نشان بن جاتا ہے: اچھا تو کیا اسلام مسجد اور عائلی زندگی کے باہر بھی کار فرما ہو سکتا ہے؟ کیا چودہ سو سال پرانا یہ دین جدید سائنسی اور سٹیلائٹی دور میں بھی انسان کی رہنمائی کر سکتا ہے؟" جی ہاں آج بھی یہ دین اسی طرح تر و تازہ ہے جس طرح چودہ سو سال قبل تھا جبکہ غار حرار میں قرآن کی ان آیات کی آواز پہلی بار سنائی دی تھی: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ الخ وہ رب جس نے یہ قرآن اتارا اور اپنے آخری نبی و رسول کو مبعوث کیا چودہ سو سال پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے اور آئندہ بھی ابدالاباد تک رہے گا وہ حیّ قیوم ہے اسلئے اس کا دین۔ یہ آخری دین۔ جس کا نام اسلام ہے تا قیامت تر و تازہ رہے گا اور اس کے قوانین ہمیشہ اسی طرح مؤثر رہینگے جس طرح چودہ سو سال قبل تھے۔[14]

بہر حال مسلمانوں نے اس محدود رعایت پر ہی قناعت کر لی اور صبر و شکر کے ساتھ روٹی کے چند سوکھے ٹکڑوں کو بغیر سالن کے چبانے کے لئے تیار ہو کر انگریزوں کے سامنے

بھیک کا پیالہ لے کر کھڑے ہو گئے: خدارا! اسلام کو صرف مساجد وگھروں میں باقی رکھنے
کی اجازت دے دیجئے کیونکہ بظاہر ہم نے اسلام کی کاملیت اور عمومیت سے توبہ کرلی ہے
ہماری اس توبہ کو قبول فرمائیے، ہم ملا کی دوڑ مسجد" تک ہی محدود رکھیں گے، تجارت
سے ہمارے اسلام کو خارج کر دیجئے، معاشرت سے اس کو نکال پھینکئے یا معاشیات
سے اس کا تعلق منقطع کر دیجئے، لیکن لارڈ صاحب اس کو ہماری مسجد اور ہمارے گھر سے
فی الحال نہیں نکالئے، ہاں ہو سکتا ہے کہ آئندہ ہم اس کو گھر سے خود ہی نکال دیں اور پھر مساجد
کا نمبر بھی آجائے گا۔ انگریز نے اس بیکس ولاچار قوم کے حال پر رحم کھایا اور ان کے وعدوں
پر یقین کر کے اطمینان کا سانس لیا اور ان کو اسلام کے چند قوانین مسلم پرسنل لار . . . . . .
(MUSLIM PERSONAL LAW) کی شکل میں دے دئے اس طرح ۱۹۳۷ء میں
شریعت ایکٹ یا مسلم پرسنل لار (مسلمانوں کا عائلی قانون) بنام" MUSLIM PERSONALLA
MUSLIM PERSONAL (SHARIAT) APPLICATIAN ACT 1937
کا نفاذ ہوا، اور عوام وخواص سب کے سامنے گویا یہ واضح کر دیا گیا کہ " فی الحال آپ کی
شریعت صرف اسی حد تک محدود کر دی گئی ہے، آئندہ کے بارے میں زمانہ بتائے گا "
جی ہاں! زمانہ نے یہ بھی بتا دیا، اب ان سوکھے ٹکڑوں کو بھی منہ سے نکالا جا رہا ہے۔

الحاد ولادینیت کا سیلاب

انگریز تو چلا گیا لیکن ملت اسلامیہ الحاد و لادینیت کے اس سیلاب میں گھر گئی جس
کی لپیٹ میں پوری انسانیت ہے، انگریز نے تو سیاسی طور پر شریعت کی عمومیت پر
کامیاب ضرب لگائی کیونکہ اس کو اس ملک پر " راج " کرنا تھا لیکن الحاد ولادینیت
کے اس عالمی طوفان کے تھپیڑوں نے شریعت کو پوری طرح ہی اکھاڑ پھینکنے کی ٹھان
لی مغرب تو اس سیلاب کے اندر بہہ چکا ہے، اس کا صرف ایک ہی مذہب ہے جس
کا نام ہے " مادیت اور جنسیت " مغرب کا عام اور متوسط آدمی " وہ جمہوری ہو یا

فاشستی، سرمایہ دار ہو یا اشتراکی، ہاتھ سے کام کرنے والا ہو یا دماغی محنت کرنے والا، وہ ایک ہی مذہب جانتا ہے" اور اس مذہب کا نام ہے" مادی ترقی کی پرستش اور ہوائے نفس و جنس خواہش (SEX) کی تسکین " کچھ مغربی ممالک جن کو اشتراکی ممالک کہا جاتا ہے کے بسنے والوں نے تو صاف طور پر خدا کے وجود کا انکار کر دیا ہے اور وہ کسی مذہب کے قائل نہیں لیکن باقی مغربی ممالک کے رہنے والوں کے ذہنوں میں بھی خدا کیلئے کوئی جگہ باقی نہیں رہ گئی ہے وہ اسکو ماننے میں نہ کوئی فائدہ محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت سمجھتے ہیں، راقم السطور نصف درجن سے زیادہ مغربی ممالک میں جا چکا ہے اور یہ مشاہدہ کر چکا ہے کہ ذہنی طور پر وہ مذہب سے بیزار ہیں اور عملی طور پر مذہبی پابندیوں سے آزاد و بالاتر ہو چکے ہیں، ان کی عبادت گاہیں اب گرجے اور کلیسے نہیں رہے ہیں، بلکہ کارخانے فیکٹریاں، تھیٹرز، تفریح گاہیں، ناچ گھر، بھاری انڈسٹریاں اور بجلی کے مراکز اور ان کے اس مذہب کے رہنما پادری یا پریسٹ (PRIEST) نہیں ہیں بلکہ بنکوں کے افسران، سرمایہ دار، بین الاقوامی شہرت کے کھلاڑی، اداکار عورتیں (ACTRESSES) فلم اسٹار، خلائی سائنس داں، ایٹمیات کے ماہرین اور صنعت و تجارت کی بڑی بڑی شخصیتیں اور سیاسی لیڈران ہیں، وہ مذہبی علوم کو بھی عقائد سے الگ کر کے پڑھنے اور پڑھانے اور ان پر عقاید سے آزاد ہو کر تحقیق کرنے میں مشغول ہیں [1]

مادیت، الحاد اور لادینیت کے اس طوفان کا اثر اس ملک میں بھی پڑا اس ملک میں مذہب کی بنیادیں۔ چاہے وہ مذہب اسلام ہو یا کوئی غیر اسلامی مذہب۔ بہت گہری ہیں، لیکن یہ طوفان اتنا شدید اور سیلاب اتنا عظیم ہے کہ مذہبی لوگ اس سے

---

[1] ملاحظہ ہو میرا مضمون: " علوم اسلامیہ اور عقائد کا باہمی ربط"، مطبوعہ نوائے اسلام " دہلی (اگست، ستمبر اور اکتوبر ۸۵ء) ندائے ملت لکھنؤ ۸ر نومبر ۸۱ء اور ۱۵ر نومبر ۸۱ء، الجمعیۃ دہلی ۱۱ر دسمبر ۸۱ء،

مقابلہ کرنے میں سخت دقت کا سامنا کر رہے ہیں۔

الحاد و مادیت اور لادینیت کے اس طوفان کا ایک جھونکا عورتوں و مردوں کی مساوات کی شکل میں آیا جس نے بے حیائی اور عورت و مرد کے اختلاط کا دروازہ کھول دیا، عورتوں کے حقوق کے نام نہاد داعی گلے پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگے، دوسرے اہل مذاہب نے تو ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے کیونکہ ان کے مذاہب نے اس سلسلہ میں واضح احکامات نہیں دیئے ہیں، لیکن اسلام کے پیروکاروں نے اس کا نوٹس لیا کیونکہ اسلام نے ایک ایسا نظام پیش کیا ہے جو ہر اعتبار سے متوازن ہے اس نے عورتوں اور مردوں دونوں کے الگ الگ حقوق و فرائض کو بالتفصیل بیان کیا ہے اس مذہب کے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے صاف صاف فرمایا ہے۔

استوصوا بالنساء خيرا فإن المرأة خلقت من ضلع و ان اعوج شئ فى الضلع اعلاه فإن ذهبت تقيمه كسرته و ان تركته لم يزل أعوج فاستوصوا بالنساء خيرا:۔

(صحيح البخاری)

عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے (کے سلسلے میں میری) نصیحت مانو! عورت چونکہ پسلی سے پیدا کی گئی ہے (اس لئے خلقی طور پر کچھ کجی رہ گئی جس کی وجہ سے کچھ کوتاہیاں ہونگی) اور سب سے ٹیڑھی پسلی سب سے اوپر کی ہوتی ہے، تو اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو اسے توڑ ڈالوگے اور اگر یونہی رہنے دوگے تو (اگرچہ کچھ کجی باقی رہے گی مگر نباہ ہوتا رہے گا، پس (میں مکرر کہتا ہوں) کہ عورتوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کے سلسلہ میں) میری نصیحت مانو"۔

آج لوگ اس حدیث کے آخری حصے کو لے کر استوصوا بالنساء خیرا
(یعنی عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کے سلسلے میں میری نصیحت مانو) کو تو حذف کر دیتے ہیں
اور دوسرا حصہ لے کر پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کو مسخ کر کے عورتوں کے ذہنوں
میں اسلام کے خلاف غلط خیالات کر پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ۔

قرآن کا حکم بالکل واضح ہے " وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء) یعنی
اپنی بیویوں کے ساتھ بہتر طریقہ پر زندگی بسر کرو" یہ مضمون عورتوں اور مردوں کے حقوق
کے فرائض کے موضوع پر نہیں ہے اس کے لئے ایک مستقل مضمون نہیں بلکہ کتاب درکار
ہے اور علماء نے ہر زمانے میں اور تقریباً ہر معروف و مشہور زبان میں اس پر کافی لکھا ہے
اس جگہ یہ بتانا مقصود ہے کہ لادینیت، الحاد اور مادیت کے اس سیلاب کی کئی شکلیں ہیں
ان میں سے ایک کا نام ہے آزادیٔ نسواں ، اس عنوان سے عورت کی عصمت کو داغدار بنایا
جاتا ہے، اس کو گھریلو اور عائلی زندگی کی ذمہ داریوں سے آزاد کیا جاتا ہے اور نائٹ کلبوں
ناچ گھروں، فلم ساز کمپنیوں، ٹیلی ویژن کے ڈراموں اور پروگراموں، اور عریاں و نیم
عریاں اشتہارات کی زینت بنایا جاتا ہے، عورت اپنا اصل مقام اور آب و تاب کھو بیٹھتی
ہے اور پھر گھریلو زندگی اور بیوی و شوہر کے تعلقات بری طرح متاثر ہوتے ہیں، اس تحریک
میں بنیادی طور پر اللہ کا خوف، اور آخرت کا ڈر دین کی عظمت قلوب سے نکال دی
جاتی ہے، جس کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں بالخصوص گھریلو زندگی پر پڑتا ہے ۔

مستشرقین کا فساد

اسلام کے عائلی قوانین (مسلم پرسنل لا) میں تبدیلی چاہنے والوں کے پس پشت ایک اور قوی محرک و
سبب وہ فساد ہے جو مستشرقین نے برپا کیا ہے، اس سلسلہ میں اپنے ایک مضمون
میں[1] راقم السطور نے تحریر کیا ہے کہ موجودہ دور میں جو لوگ یونیورسٹیوں میں تعلیم پا رہے

[1] "ہندوستان میں مستشرقین کا علوم اسلامیہ اور علماء کو نیا چیلنج"، مطبوعہ الفرقان لکھنؤ جون ۱۹۸۱ء ۔
ماہنامہ دارالعلوم دیوبند جون ۱۹۸۱ء، القاسم دیوبند جون ۱۹۸۱ء جمعیۃ العلماء ہند نے اسکو ایک کتابچہ کی شکل میں
بھی طبع کرایا ۔

ہیں اور دے رہے ہیں ان کے دماغوں میں اسلام کے ماضی کی طرف سے بدگمانی اور علوم اسلامیہ کے بنیادی ماخذ کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے اور "اصلاح مذہب" "اسلام کی تشکیل جدید"، "اصلاح فقہ و قانون اسلامی" اور اس سے بھی آگے "اصلاح دین اسلام" جیسے عنوانات سے اسلامی عقائد وحقائق (نیز تعلیمات) کو مسخ کرنے کی تحریکوں کی پشت پر ان مغربی اسکالرز کا ہاتھ ہے جنہوں نے علوم اسلامیہ کو مسخ کرنے کی غرض سے اسلامیات اور تاریخ اسلام کے مطالعہ کے لئے اپنی زندگیاں وقف کردی ہیں، ان لوگوں کو عام طور پر مستشرقین (ORIENTALISTS) کہا جاتا ہے موجودہ دور میں ان میں یہود ونصاریٰ دونوں شامل ہیں، یہ مستشرقین قرآن وحدیث، سیرت نبوی، فقہ اسلامی اور اخلاق وتصوف کا گہرا مطالعہ اس مقصد سے کرتے ہیں کہ ان علوم میں خامیاں نکالی جائیں اور ان کو اپنے مذہبی وسیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے، اپنے اس دجالی مقصد کی وجہ سے ان کو علوم اسلامیہ میں صرف غیر صحت مند چیزیں نظر آتی ہیں، جس طرح رنگین چشمہ لگانے والے کو ہر چیز اسی رنگ میں نظر آتی ہے جس چیز کا وہ چشمہ استعمال کر رہا ہوتا ہے۔

اس صدی کے شروع تک مستشرقین نے قرآن، حدیث، سیرت، فقہ اسلامی، تاریخ اسلامی وغیرہ پر براہ راست حملے کئے اور ان علوم پر بے لاگ تنقید کی، ان میں تحریف کی اور اسلام وپیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو مسخ کرکے پیش کیا، ان کی تحریرات یورپی زبانوں میں ہوتی تھیں، اور مغربی ممالک جن جن ممالک پر قابض تھے اور ان کا وہاں پر اقتدار تھا، وہاں شائع ہوتی تھیں، ہندوستان کے بعض علماء نے ان کے مدلل جوابات دیئے اور ان کی فاحش غلطیوں سے عامۃ المسلمین کو روشناس کرایا، لیکن جلد ہی مستشرقین نے محسوس کیا کہ ان کے طریق کار میں بنیادی غلطی ہے جس کی وجہ سے ان کی جدوجہد کا پورا نتیجہ برآمد نہیں ہورہا ہے اور بعض اوقات اس کی وجہ سے اسلامی حلقوں اور اداروں میں

شدید ردعمل اور اشتعال پیدا ہو جاتا تھا، جو ان کے مفسدانہ مقاصد پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتا تھا، چنانچہ انہوں نے بڑے بڑے وظائف دیکر یورپ، امریکہ، اور کناڈا میں قائم شدہ نام نہاد اسلام کی تحقیق کے اداروں کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دیئے اور مسلمانوں کے ذہین اور تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنی طرف کھینچ لیا اور نام نہاد سائنٹیفک وسسٹیمیٹک تحقیق کے عنوان سے ان کا ذہن مسموم کر کے ان کو اپنے سانچے میں ڈھال لیا، ایسے لوگ جب اپنے اپنے وطنوں کو واپس آئے تو انہیں مستشرقین کا آلہ کار بنے، اس ملک میں بھی ایسے مسموم شدہ ذہن کے لوگ موجود ہیں، جو انہی باطل اور مسخ شدہ تحقیقات کے عنوان سے مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں، ان کی یہ تحقیقات دراصل ان کے جہل مرکب کا بین ثبوت ہیں، مستشرقین کے ان چیلوں نے کئی یونیورسٹیوں اور اداروں میں بڑے بڑے عہدوں پر قبضہ جما لیا ہے اور اسلام کے عنوان سے قرآن وسنت اور سلف صالحین کے خیالات وعقائد کے خلاف اپنے زہریلے قلم اور زبان سے اپنے استادوں کی ترجمانی کر رہے ہیں۔

ان ہی میں سے چند نے ابھی حال میں شاہ بانوکیس کو لے کر مسلم پرسنل لار میں رخنہ اندازی کی کوشش کی ہے اور قیاس باطل کے ذریعہ نئے نئے شگوفے چھوڑے ہیں، کچھ سیاسی لوگ بھی ایسے لوگوں کی پشت پر ہیں تاکہ ان کو اپنے سیاسی مقاصد میں کامیابی حاصل ہو، یہود ونصاریٰ مستشرقین کے ان شاگردوں کی زبان پر "اجتہاد" اور "قیاس" جیسے الفاظ بھی آنا شروع ہو گئے ہیں حالانکہ اجتہاد وقیاس کی صلاحیت تو درکنار یہ لوگ ان الفاظ کی صحیح تشریح بھی نہیں کر سکتے، ضرورت اس بات کی ہے کہ علمار میدان میں آئیں اور ان نام نہاد اسکالرز کی جو جہل مرکب میں مبتلا ہیں پول کھولیں، میں نے اپنے مذکورہ بالا مضمون میں علمار کو آج سے کئی سال پہلے ہی متوجہ کر دیا تھا لیکن اس پر پوری طرح دھیان نہیں دیا گیا جس کی وجہ سے مستشرقین کے ان چیلوں کی ہمتیں بلند ہو گئیں اور

اب یہ لوگ براہ راست مسلم پرسنل لا پر حملہ آور ہو چکے ہیں، مستشرقین اپنی اس کامیابی پر یقیناً خوش ہوں گے، دیکھئے آئندہ یہ لوگ کیا کیا فساد برپا کرتے ہیں۔

فرقہ پرست غیر مسلم جماعتیں

مسلم پرسنل لا میں رخنہ اندازی کے سلسلہ میں ان چند فرقہ پرست غیر مسلم جماعتوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو آزادی کے بعد سے اب تک مستقل "رام راج" قائم کرنے کا نعرہ بلند کرتی چلی آئی ہیں، حالانکہ "رام راج" کیا ہے، اس کے اصول کیا ہیں اور وہ کن کتابوں میں تحریر ہے اور کس نے اس کو مدون کیا ہے خود ان کو بھی اس کا علم نہیں، ان کے پاس تو انگریزوں کا مرتب کردہ وہ قانون ہے جو غلامی کے انعام کے طور پر دیا گیا ہے اور جن میں وہ من مانی ترمیمات کرنے کے درپے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیشہ عورتوں کی تحقیر کی، اس کو انسانی سطح سے گری ہوئی ایک مخلوق سمجھا جن کے یہاں طلاق کا تصور تک نہ تھا اور جو عائلی قانون کے نام سے بھی واقف نہیں تھے، آج غیروں سے چرایا ہوا مال دوسروں کے سر منڈھنے چلے ہیں، اور عورتوں کے سب سے بڑے ہمدرد اور خیر خواہ بننے لگے ہیں، اس سلسلے میں آر، ایس، ایس کے سربراہ بالا صاحب دیورس کا مندرجہ ذیل بیان قابل توجہ ہے جو انہوں نے شاہ بانو کیس کے بعد دیا ہے :-

> " بھوپال۔ ۱۶ر اکتوبر، آر، ایس، ایس کے سربراہ مسٹر بالا صاحب دیورس نے ہندؤں پر زور دیا ہے کہ وہ چھوت چھات اور ذات برادری کی تفریق کو ختم کر کے ایک قوم کی طرح متحد ہوں۔
>
> . . . .
>
> . . . .
>
> نان نفقہ سے متعلق سپریم کورٹ کے فیصلے کے بارے میں مسٹر دیورس نے کہا کہ مسلمان عورتوں کی اکثریت نے اس کا خیر مقدم کیا ہے اس لئے ہندؤں

کو چاہیئے کہ وہ ان کی جد وجہد میں ان کا ساتھ دیں۔

....

(قومی آواز، روزنامہ، نئی دہلی، ۱۷ اکتوبر ۱۹۸۵ء)

دیورس صاحب نے ایک فرضی اور من گھڑت بنیاد بنا کر ہندوؤں کو مسلمانوں کے جائز مطالبہ کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ آج بھی مسلمان مرد وعورت کے دل میں شرعی احکامات کی ویسی ہی عظمت ہے جیسی کہ پہلے تھی، یہ صرف ایک مثال ہے جس کو یہاں نقل کیا گیا ہے ورنہ اس جیسی سینکڑوں مثالیں تلاش کرنے پر مل سکتی ہیں، انگریزی اخبارات غیر مسلموں کے اسلامی شریعت پر حملوں سے بھرے پڑے ہیں، ان میں سے چند ایک کا جواب راقم السطور نے بھی انگریزی میں دیا ہے جو ہندوستان کے مختلف اخبارات میں چھپا ہے، دراصل فرقہ پرست عناصر کی اسلامی شریعت کے خلاف ایک زبردست تحریک ہے، ۱۹۴۷ء سے اب تک ہزاروں کی تعداد میں دل ہلا دینے والے فسادات ہوتے رہے ہیں جن میں یک طرفہ مسلمانوں کی املاک لوٹی گئی، جلائی گئی، ان کو قتل کیا گیا، اور ان کی عورتوں کی بے حرمتی کی جاتی رہی، فسادات کا یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے، اب اس کے ساتھ ساتھ اس ملت بیضا کی شریعت، اس کے دین، ثقافت، تہذیب وتمدن اور فکر وخیالات کو مسخ کرنے کی کوشش کا آغاز ہوگیا یہاں تک کہ اس کی مقدس کتاب قرآن کریم کے خلاف عدالتوں میں رٹ دائر کی جانے لگی، کاش مسلمان قوم کو اس سازش کا احساس ہو جائے اور وہ شریعت کی حفاظت میں ایک جان وقالب بن کر اس شیطانی مکر وفریب کا پردہ چاک کریں، وہ قوم جس میں آج بھی آئے دن معصوم ومجبور عورتیں جہیز کے نام پر جل جل کر مر رہی ہیں اور جس نے ہزاروں سال تک بیکس بیواؤں کو جل کر ستی ہونے کو "پن" (نیک کام) سمجھا آج اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت پر اعتراضات کر رہی ہے، اور مسلمان دم بخود ہے؟

مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کا خوف

ہمارا ملک ایک جمہوری ملک ہے یہاں پر اکثریت اور اقلیت کی بنیاد پر حکومتیں بنتی ہیں اور بگڑتی ہیں، مسلم پرسنل لاء پر ایک زبردست اعتراض اکثریت کے فرقہ پرستوں کا یہ ہے کہ اس میں تعدد ازدواج کی اجازت ہے اس لئے مسلمان ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ بیوی کو رکھ کر اپنی تعداد بڑھا سکتے ہیں جبکہ غیر مسلم اس طرح تعداد بڑھانے سے قاصر ہیں، یہ اعتراض کتنا رکیک اور بے بنیاد ہے ہر سمجھ دار آدمی اسکو سمجھ سکتا ہے مسلمانوں اور غیر مسلموں کی تعداد میں جو فرق ہے وہ اس طرح صدیوں کیا ہزاروں سال میں بھی پورا نہیں ہو سکتا، دوسرے یہ کہ بمشکل ایک ہزار مسلمانوں میں ایک دو مسلمان شاید ایسے مل جائیں جو ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے ہیں، اس ملک کے مسلمانوں میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کا عام رواج ہی نہیں، پھر مہنگائی اور مسلمانوں کی معاشی حالت بھی اس کی اجازت نہیں دیتی، بہر حال اس ملک کی اکثریت اسی غم میں گھل رہی ہے اور اس کو بہانہ بنا کر مسلم پرسنل لاء پر حملے کر رہی ہے، اور اس میں تبدیلی کا مطالبہ کر کے یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا منصوبہ و پلان تیار کر رہی ہے۔

یہ ہیں وہ چند اہم اسباب و محرکات جو راقم السطور کے نزدیک مسلم پرسنل لا میں تبدیلی لانے کے پس پشت کام کر رہے ہیں، ان کے علاوہ بھی چند اور عوامل واسباب ہو سکتے ہیں، لیکن وہ اتنے بنیادی اور اہم نہیں ہیں، مجھے امید ہے کہ اہل علم و فکر حضرات ان کی طرف توجہ دیں گے اور ان کے تدارک کی تدابیر اختیار کریں گے نیز ملت کے رہنما و لیڈر کسی ایسے مثبت راستے کو اختیار کریں گے جس کے ذریعہ اس قسم کے مطالبات کا ہمیشہ کے لئے سدباب ہو سکے۔ گو ہم کافی وقت گنوا چکے ہیں، لیکن اب بھی کچھ وقت باقی ہے اگر اس موقع کو بھی ہاتھ سے نکال دیا تو پھر آنسو بہانے کے علاوہ کچھ نہیں رہ جائے گا، اور ان آنسوؤں کو پوچھنے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔

مشترکہ سول کوڈ کا مطالبہ کیوں؟

ڈاکٹر رشید الوحیدی فاضلِ دیوبند
ریڈر جامعہ ملیہ اسلامیہ:

یکساں سول کوڈ کا مطالبہ دراصل ہندوستان میں بسنے والی بہت سی اکائیوں کے مذہبی، شخصی اور عائلی قوانین کو سبوتاژ کرنے اور ختم کرنے کی ایک چال ہے، اور اس کے نتیجے میں ہر وہ شخصی قوانین جو قوموں کے اپنے اپنے مذاہب پر مبنی ہیں، منسوخ ہو جائیں گے اور ان کی جگہ طلاق، نکاح، نفقہ، وراثت، وصیت، ہبہ اور شفعہ وغیرہ امور میں تمام شہریوں کو ایک مشترکہ وضعی قانون کی پابندی کرنی پڑے گی، یہ ایک خطرناک صورت حال ہوگی، اور کوئی قوم کوئی گروہ اس خطرناک صورتِ حال کی اہمیت محسوس کرے یا نہ کرے، مسلمان بہرحال اس تجویز کو خاموشی سے برداشت نہیں کرسکے گا کیونکہ اس طرح مشترکہ سول کوڈ کے اسلوب سے اس کے جس قانون پر زد پڑتی ہے وہ کوئی رواجی یا وضعی قانون نہیں ہے، وہ مسلمان کا دین ایمان اور دھرم ہے، اس لئے مسلمان اس اعلان اور ملک میں اٹھنے والی اس آواز کو وقتی اور سطحی طور پر نہیں دیکھتا بلکہ اس کے نزدیک دستور کے باب چہارم کی دفعہ ۴۴ (جس کی تفصیل ہم آگے دیں گے) اس کو وہ اپنے لئے اور اپنے پرسنل لا کے لئے ہر وقت خطرے کا الارم اور ایک لٹکتی ہوئی تلوار سمجھتا ہے، جس کی موجودگی میں ہندوستان کی ایک بڑی، بلکہ سب سے بڑی اقلیت ہر وقت بے یقینی

اور شبہے کی حالت میں رہے گی۔

یہ ملک روحانیت، محبت، اتحاد، ویکجہتی کا ملک رہا ہے، کانگرس اور حکمران جماعت کی پالیسی بھی انہیں اصولوں کو فروغ دینا ہے، ملک کے دستور کی روح اور پالیسی بھی یہی ہے، جب حکومت اور حکراں پارٹی اس پالیسی کو پسند کرتی ہے، اور حکومت کا یہی اصول ہے تو جو لوگ حکومت کی پالیسی کے خلاف ہوں گے یا جو کانگریس کے اصولوں کو پسند نہ کرتے ہوں گے، وہی اس قسم کا مطالبہ کریں گے، لیکن اگر خود حکومت کے ذمہ دار اگر ایسی بات کریں یا ملک کی عدالت اس قسم کے فیصلے کرے جس سے یہ روح مجروح ہوتی ہو تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

شروع شروع میں یکساں سول کوڈ کی تائید میں جو بیانات دیئے گئے ان میں سے بعض بیانات نہایت سخت اور جذباتی تھے، ملک میں مسلمانوں کے بعض عائلی اور شخصی معاملے کو سماجی اور تمدنی مسئلے کی سطح پر لاکر اس کے متعلق مسلمانوں کے نقطۂ نظر کے خلاف ایکٹ بنائے گئے (اگرچہ جمعیۃ العلماء نے اور بعض مسلمانوں نے اس کے خلاف سخت نوٹس لیا اور اس میں سے بعض ایکٹ کو میسرخ بھی کرایا) پھر ابھی حال ہی میں مسلمانوں کے ایک اہم مسئلے پر عدالت عالیہ کے جج صاحب نے اسلامی اصولوں کے خلاف ایک فیصلہ دیا اور اس کے بعد حکومت کو مشورہ بھی دیا کہ ملک میں مشترکہ سول کوڈ کا نفاذ کیا جائے، ان باتوں سے اقلیت میں جو انتشار و بے چینی ہے، اس کو سامنے رکھیے، دوسری طرف حکومت کا یہ پلان دیکھیے کہ ملک کے تمام باشندوں کے درمیان اتحاد و محبت، ملک میں یک جہتی و سالمیت کو فروغ ہو، ان دونوں باتوں میں جو تضاد ہے، وہ سمجھ میں نہیں آتا۔ محمد احمد شاہ بانو کیس میں مسلمانوں کا جو ردعمل رہا وہ حکومت اور ملک کے سامنے ہے اس کے باوجود بعد میں پھر اس قسم کے فیصلے کئے گئے، چنانچہ بیاورہ، رائے گڑھ (مدھیہ پردیش) ولی محمد،

باسوانی بائی، اور قصبہ دھارا (مدھیہ پردیش) میں مطلقہ کے نفقے کے سلسلے میں صاف مسلمانوں کے عائلی اور شخصی دینی قانون کے خلاف فیصلہ دیا گیا، آخر اس سے کیا نتیجہ نکالا جائے، کیا اس طرح وقتاً فوقتاً مسلم پرسنل لا کے خلاف فیصلے کرکے "بنیادی حقوق" پر دست درازی نہیں ہے؟ اور کیا یہ بنیادی حقوق کی اہمیت و فوقیت کے علی الرغم "رہنما اصول" کے دفعہ ۴۴ میں مذکور ایک قانون (مشترکہ سول کوڈ) کو اونچا اٹھانے اور لاگو کرنے کی صورت نہیں ہے؟ یہاں ہم دستور کے رہنما اصول کے بارے میں مختصر سا تاریخی جائزہ لیتے چلیں، مختصر جائزے کی بات ہم تھوڑا آگے چل کر کریں گے، سردست وزیر اعظم شری راجیو گاندھی کے "مشترکہ سول کوڈ" کے سلسلے میں تازہ بیان "قومی آواز ۴ جنوری ۸۶ء بروز سنیچر" پر اظہار خیال کرنا چاہتے ہیں، وزیر اعظم کا یہ بیان ان کی طرف سے کسی قسم کا فیصلہ نہیں ہے، اس بیان سے اتنی بات تو واضح ہوگئی ہے کہ سول کوڈ نافذ کرنے کا حکومت کا ارادہ ہے اور اس کے لئے موجودہ قانون تبدیل کیا جائے گا، مگر اس میں گنجائش کا یہ پہلو بھی موجود ہے کہ وزیر اعظم مختلف مذاہب کے ترتیب شدہ ضوابط اور ان کے نظام کو ایک قلم نظر انداز نہیں کر رہے ہیں بلکہ موجودہ نظام اور مذاہب کے ترتیب شدہ ضوابط کے حسن و قبح کا جائزہ لینے کے بعد یہ حکمت عملی اپنائی جائے گی، اب اس موقع پر ہماری ذمہ داری، ہمارے مسلم لیڈران ممبران پارلیمنٹ، علماء اور اسلام کے مقتدر ذمہ داروں کا فرض ہے کہ وہ وزیر اعظم کو اسلامی نظام، عائلی و شخصی، قانون کے بارے میں یہ باور کرادیں کہ یہ نظام نہ صرف مسلمانوں کے لئے، بلکہ سارے عالم کے لئے، پوری انسانیت کے لئے اپنے دامن میں ایسا جامع پاکیزہ اور روشن اصول رکھتا ہے کہ اس کے بعد کسی دوسرے وضعی اور رواجی قانون کی ضرورت نہیں رہ جاتی، اگر ذمہ داروں نے یہ کام کرلیا اور وزیر اعظم نے اسی جذبہ ہمدردی سے مسئلے کو سامنے رکھا، تو ہمیں امید ہے مسلمانوں کو کم از کم ضرور "سول کوڈ" سے مستثنیٰ کر دیا جائیگا،

مشترکہ سول کوڈ کی دستوری تاریخ

آٹھویں صدی میں ہندوستان میں جب سلاطین دہلی کی حکومت قائم ہوئی تو ملک کے تمام ہی باشندوں کے لئے ایک عام قانون نافذ ہوا جس کا اطلاق سب پر یکساں طور پر ہوتا تھا، مگر اس کے ساتھ ہی کچھ شخصی اور عائلی قانون بھی لاگو کیا گیا، مثلاً شادی، طلاق وراثت، وصیت، شفعہ اور ہبہ وغیرہ، یہ قوانین صرف مسلمانوں پر نافذ العمل تھے باقی دوسری قوموں کے عائلی مسائل میں ان کے اپنے مذہبی قوانین کے مطابق فیصلہ کیا جاتا تھا، بلاشبہ یہ دوسری قوموں کے ساتھ انصاف اور ان کے جذبات کی پاسداری کی ایک اعلیٰ مثال تھی، جب ملک میں انگریزی حکومت کا رواج ہوا تو انہوں نے بھی مغلیہ سلطنت کے اس اصول کو باقی رکھا، پھر جب آزادی کے بعد آئین ساز اسمبلی میں ملک کا نیا دستور تیار ہو رہا تھا، ملک کے مجوزہ آئین کے دفعات زیر بحث تھے، اس وقت بنیادی حقوق سے متعلق کسی ذیلی کمیٹی میں "یکساں سول کوڈ" کی ایک شق شامل کرنے کی بات سامنے آئی، ۱۹۴۷ء میں یہ پہلا موقع ہے کہ یہ آواز آئین ساز اسمبلی میں پہلی بار سنائی دی، بحث یہ تھی کہ ملک کے مجوزہ دستور کے باب چہارم "ریاست کی پالیسی کے لئے رہنما اصول" میں "یکساں سول کوڈ" کی ایک دفعہ شامل کی جائے جس کا اطلاق بلا امتیاز مذہب و ملت، تمام باشندوں پر ہوگا، چنانچہ یہ تجویز جس کو "بنیادی حقوق" کی ذیلی کمیٹی نے ایک بار ۲۸ر مارچ ۱۹۴۷ء کی میٹنگ میں مسترد کر دیا تھا دوسری بار ۳۰ مارچ ۱۹۴۷ء میں نہایت معمولی اکثریت سے پاس ہو گئی اور دستور کے باب چہارم "سرکاری پالیسی کے لئے رہنما اصول" میں یہ دفعہ ۴۴ بھی شامل ہے اس کا متن یہ ہے، "حکومت شہریوں کے لئے ایک ایسا سول کوڈ رائج کرنے کے لئے کوشش کرے گی جس کا نفاذ ہندوستان کے طول و عرض میں ہو"

اس وقت اسمبلی کے بعض ممبران نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی، ایک

فاضل ممبر نے یہ بھی کوشش کی اور اس کوشش کے سلسلے میں تین تجویزیں رکھیں جس کی بنیاد پر مذہبی آزادی کے بنیادی حق والی دفعہ میں مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی ضمانت حاصل ہو جائے، مگر تجویز کی یہ مخالفت اور تحفظ کی یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی اس کے مقابلے میں ڈاکٹر امبیدکر نے دستور ساز اسمبلی میں مخالفت کرنے والوں کو کچھ تسلی دیکر سمجھا بجھاکر خاموش کر دیا، جب ہم ڈاکٹر امبیدکر کا اس وقت کا وہ بیان، جو انہوں نے مسلم ممبران کو مطمئن کرنے کے لئے دیا تھا، پڑھتے ہیں، تو سوچنے لگتے ہیں کہ اگر وہ آج زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ ان کے دیئے گئے تحفظات اور یقین دہانیوں کی کیا حیثیت رہ گئی ہے۔

یہ طے ہے کہ یکساں سول کوڈ کی براہ راست زد مسلم پرسنل لا، پر پڑتی ہے، ہم مسلم پرسنل لا، کی وکالت کرکے، اس کی افادیت اور برتری، مجموعی طور پر، نیز نکاح، طلاق وراثت، وصیت، وقف، ہبہ، شفعہ وغیرہ الگ الگ موضوعات میں، ثابت کرسکتے ہیں، اور اسلام کے اس روشن ومستحکم اصول کو برابر مستقل تصانیف ... مضامین، تقریروں وتحریروں کے ذریعہ بتایا بھی جا رہا ہے، ہم بجا طور پر یہ بھی ثابت کرسکتے ہیں، کہ ملکی اتحاد، سیکولرازم، بھائی چارہ، مساوات، چھوت چھات کی لعنت کو ختم کرنا، ملک اور دستور سے وفاداری، امن وشانتی، پڑوسی ملکوں سے دوستانہ تعلقات انسانیت کا احترام، غیر قوموں سے تعلق و محبت، ہر شعبۂ زندگی میں ترقی، اقتصادی، تعلیمی اور اخلاقی فلاح ونشو ونما، غرض ان تمام امور میں جو ایک مثالی ریاست کے لئے ضروری ہوا کرتے ہیں، اور جو حکومت ملک کے لئے چاہتی بھی ہے، اور جو ہر ہندوستانی کی خواہش ہے، اور جس سے سارے عالم میں ہمارے ملک کا نام روشن ہو سکتا ہے، یہ سب اسلامی نظام اور اس کے اصولوں پر چل کر، عمل کرکے حاصل کیا جاسکتا ہے، ہم یہ بھی بتا سکتے ہیں، اور بتاتے رہیں گے کہ بھائی! ہمارے پرسنل لا کو اپنی قانون سازی کے

تحت لاکر تختۂ مشق نہ بناؤ، یہ ملک کے دستور کے بنیادی حق کا ایک مسئلہ بھی ہے اور یہ مسلمان کے دین وشریعت، ایمان وعقیدے کا بھی مسئلہ ہے، ان کی دنیا ہی نہیں آخرت میں ان کی کامیابی وناکامی کا انحصار بھی اسی پر ہے جو مسلمان کو بہر حال عزیز ہے، یہ کوئی رواجی یا وضعی قانون نہیں ہے یہ قانون الٰہی اور وحیٔ خداوندی کی دین ہے، جسے چھوڑنا مسلمانوں کے لئے ممکن نہیں ہے، ہم سب کچھ کر سکتے ہیں اور عقلی ونقلی طور پر ایسے مضبوط دلائل سے کر سکتے ہیں کہ ماننے والا اور قبول کرنے والا ذہن ہو تو اس سے انکار نہیں کر سکتا، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ پھر ہم کیا کریں گے، اگر اس کے بعد بھی مرغ کی وہی ایک ٹانگ یعنی ملک میں مشترکہ سول کوڈ قائم کرنے کا اعلان، بتائیے اب اس ضد اور ہٹ دھرمی کا آخر کیا علاج کیا جائے، معاملہ یہ ہے کہ اگر یہ آواز مسلم پرسنل لا کی خوبیوں سے عدم واقفیت کی بنیاد پر ہوتی تو ہماری اس کوشش، یعنی پرسنل لا کی اچھائیوں اور خوبیوں کو ثابت کرنے اور واقف کرانے کے بعد، یقیناً یہ آواز دب جاتی، ختم ہو جاتی پھر کبھی نہ ابھرتی، لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا، تمام تر کوششوں کے باوجود اور جانتے بوجھتے جب برابر یہ مطالبہ دہرایا جا رہا ہے، تو اس صورت میں تو دل طرح طرح کے شکوک وشبہات میں ڈوب جاتا ہے، ہم سوچنے لگتے ہیں کہ اب اس مطالبے کو روکنے کا اور کیا جتن کریں مسلم پرسنل لا کی خوبیوں کو دوسری قومیں، نہ صرف یہ کہ جانتی ہیں، بلکہ اس کی برکتوں اور اچھائیوں کا عملاً اعتراف کر چکی ہیں، اس سے مستفیض ہو رہی ہیں، آخر نکاح بیوگان، لڑکیوں میں وراثت کی تقسیم، نکاح ثانی کے اصول، اگر غیروں نے اس پرسنل لا سے اپنایا ہے تو کیا اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کی خوبیاں انہیں اپیل کرتی ہیں، لہذا یہ تو طے ہے کہ یہ مطالبہ کسی لاعلمی کی بنا پر تو ہے نہیں، اب سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ یہ ذہن کی مسموحیت اور دلوں کی کھٹک ہے جو وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہتی ہے، اور اس وقت تو بلی تھیلے سے باہر آگئی جب شیوسینا کے قائد، بالا صاحب ٹھاکرے، نے مراٹھی روزنامہ

"لوک ستیہ" کے نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا۔

"یکساں سول کوڈ کا تحفظ ہندوستان کی خود مختاری کے برابر چیلنج ہے ہر سچے ہندوستانی کو ہمت وجرأت سے اسے قبول کرکے میدان میں آنا چاہئے"

پھر آگے فرمایا

"ہندؤں کو چاہئے کہ وہ مسلم پرسنل لا کے خلاف جدوجہد میں ساتھ دیں" (ملی ترجمان ۱۹ر دسمبر ۱۹۸۵ء دہلی)

مسلمان توان ہفوات کو کب خاطر میں لاتے ہیں، کوئی انصاف پسند ہندو بھی اسے پسند نہیں کرے گا، اگرچہ وقتی طور پر اس قسم کے بیانات سے ہم ایک ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں، مگر ہمیں اپنے دستور میں دیئے گئے "بنیادی حقوق کے تحفظ و ضمانت" پرا عتماد کرکے تسکین بھی ہو جاتی ہے کہ اس کے بعد مشترکہ سول کوڈ کے ان اعلانات میں کوئی خاص جان نہیں ہے، اس موقع پر ہم "بنیادی حقوق" اور رہنما اصولوں" کے فرق پر، اور ان دونوں کی دستوری حیثیت پر نظر ڈالتے چلیں، جس سے بنیادی حقوق کی بالا دستی ثابت ہوتی ہے۔

۱۔ دستور کے باب سوم میں ہندوستانی باشندوں کے لئے کچھ بنیادی حقوق تسلیم کئے گئے ہیں اور انکے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے، پھر اسی باب کی دفعہ ۲۹ کے ذریعے شہریوں کے ہر طبقہ کو اپنے مخصوص کلچر کو محفوظ رکھنے کی بھی ضمانت دی گئی ہے

اب اس کے بالمقابل باب چہارم کو دیکھا جائے جو بہرحال ایک "رہنما اصول" ہے تو بنیادی حق کو بہرحال بالادستی حاصل ہو جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ بنیادی حقوق سے اگر رہنما اصول کسی وقت متصادم ہوں گے تو باب چہارم کے رہنما اصول کو ترک کرنا پڑے گا، اور ظاہر ہے مسلم پرسنل لا بنیادی حقوق میں شامل ہے، اسکو ختم کرکے مشترکہ سول کوڈ کیسے نافذ کیا جاسکتا ہے۔

اس سے یکساں سول کوڈ ہو یا اس جیسا اور کوئی دوسرا قانون ، اگر پارلیمنٹ یا کوئی ریاستی مجلسِ قانون ساز اپنے اختیار سے وضع کرے اور وہ بنیادی حقوق سے ٹکراتا ہو تو اسے غیر آئینی قرار دیا جائے گا پھر بنیادی حقوق کی تعبیر و تشریح میں ترمیم کر کے بھی تبدیلی یا منسوخی کے لئے وجہ جواز تلاش نہیں کیا جا سکتا ، کیونکہ یہ بنیادی حقوق اقوام متحدہ کے " منشور برائے بنیادی حقوق " میں شامل ہیں ، جن کو آج ہر متمدن ریاست تسلیم کرتی ہے ، پھر جب اس منشور پر حکومت ہند نے بھی دستخط کر دیئے ہیں تو گویا اس چارٹر کو تسلیم کر کے خود کو اس کا پابند بنا لیا ہے ۔

۲۔ دستور کی دفعہ ۳۲ میں صراحت ہے کہ ہر بنیادی حق کو سپریم کورٹ کے ذریعے نافذ کرایا جا سکے گا جس کے تحت ہر ہائی کورٹ میں کسی بھی حق کے نفاذ کے لئے رٹ داخل کی جا سکتی ہے ، لیکن رہنما اصولوں کے تعلق سے ایسی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے ، یعنی اگر ریاست کسی رہنما اصول کو اختیار کرنے میں کوتاہی کرے تو ملک کی کوئی عدالت حکومت کو ان پر فوری عمل کے لئے مجبور نہیں کر سکتی اور اگر حکومت اس پر عمل نہ کرے تو اس سے باز پرس بھی نہیں کر سکتی گویا "بنیادی حقوق" کے برخلاف رہنما اصول عدالت کے اختیار سے باہر ہے ۔

۳۔ دفعہ ۱۳ ضمن ۲ کے ذریعہ ریاست پر لازم ہے کہ وہ ایسا کوئی قانون نہیں بنا سکتی جس سے باب سوم میں مندرجہ بنیادی حقوق میں سے کسی حق پر ضرب پڑتی ہے ، رہنما اصول کے باب میں اس قسم کا کوئی لزوم نہیں ہے ،

بہر حال دستوری حق کی رو سے " رہنما اصول " بنیادی حقوق کے مقابلے میں کمزور ہیں اس لئے بنیادی حقوق کے مقابلے میں ان کو تھوپا بھی نہیں جا سکتا ، اصولاً ہونا تو یہی چاہئے ، انصاف کی رو سے سمجھ میں بھی یہی آتا ہے گو عملاً اس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے ، جیسا کہ قانون کے ایک عالم کی رائے ہے ۔

"مگر اب کچھ عرصے سے اس نظرئیے میں تبدیلی آتی جا رہی ہے اور یہ خیال
زور پکڑ رہا ہے کہ رہنما اصول برائے پالیسی کو بنیادی حقوق سے زیادہ نہیں
تو کم از کم برابر اہمیت دینی چاہیئے۔
اس کے بعد کیا رد عمل ہوگا یہ تو وقت ہی بتائے گا۔

ہم تو اس بات کو بھولے نہیں ہیں کہ آئین مرتب کرتے وقت بنیادی حقوق کو مجالس قانون ساز اور عدلیہ تک کے اختیار سے بلند درجہ دیا گیا، پنڈت نہرو نے بنیادی حقوق کو آئین ہند میں ایک مستقل مقام اور دوسرے امور کو خواہ وہ کتنے ہی اہم کیوں نہ ہوں، عارضی مقام عطا کیا تھا، خود سپریم کورٹ نے اپنے ایک مقدمے میں بنیادی حقوق کو ایک مستقل حق مانا ہے، جو قانون ساز اداروں، عدالتوں وغیرہ کی دست برد سے محفوظ ہے (دیکھئے سپریم کورٹ مقدمہ گوپالن بنام اسٹیٹ آف مدراس) یہ درجہ اور یہ مقام رہنما اصول کو کہیں بھی حاصل نہیں ہے۔

ان تمام باتوں کی روشنی میں غور کیا جانا چاہیئے کہ رہنما اصول کے لئے بنیادی حقوق کو کس طرح پامال کیا جا سکتا ہے، پھر بنیادی حق بھی کیسا، جسے مسلمان جی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔

پرسنل لا اور مسلمان

اصل یہ ہے کہ ایک مسلمان مسلمان رہتے ہوئے اپنی زندگی کے اجتماعی، انفرادی، شخصی، عائلی معاملات کو مذہبی اصولوں اور تشریعی قوانین سے الگ رکھ ہی نہیں سکتا، جب کہ مشترکہ سول کوڈ کی وکالت کرنے والے اس رمز، اس جذبے اور اس روح کو سمجھنے سے قاصر ہیں، یہ قاصر رہنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے نہ اس کے کہنے میں کوئی تنقیص کا پہلو پیش کرنا ہے، یوں سمجھئے، کسی کے نزدیک اگر عائلی، شخصی، خاندانی قوانین یا ان کا پرسنل لا کسی قسم کے رواج رسم، جغرافیائی حد بندیوں، اتفاقی اجتماع یا کسی اور دوسرے

عوامل سے تشکیل و ترتیب پاسکتا ہو تو ایسا شخص یہ کیا سمجھے گا کہ یہ کوئی ایسی قیمتی دولت یا مقدس اثاثہ ہے کہ زندگی اور اس کی ساری توانائیاں اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں، یا اس میں ادنیٰ سے تغیر، تبدیلی، ترمیم سے کوئی قیامت آجائے گی، مگر مسلمان جس کا پرسنل لا قطعی اور قطعی خدا اور رسول کا فرمودہ ہو وہ اس کو چھوڑنا کیا معنی، ادنیٰ سی ترمیم بھی گوارا نہیں کرسکتا، بہرحال! پرسنل لا کو وضعی یا رواجی بنیادوں پر قبول کرنے والے تو یہی سوچیں گے کہ ہر فرقے کے شخصی اور معاشرتی مسائل صرف اور صرف اسٹیٹ کے وضع کردہ قانون کے تحت حل ہونے چاہئیں، کیونکہ اسٹیٹ کی ذمہ داری ہے کہ وہ سماجی مصلحتوں، تمدنی ضرورتوں اور ملکی تقاضوں کو سامنے رکھ کر ایک ہی نظام اجتماعی ملک بھر میں لاگو کرے، الگ الگ فرقوں کے الگ الگ قوانین کو ختم کر کے، سب کو ایک ہی مشترکہ قانون کے ماتحت کردے۔

گویا سول کوڈ کے وکلا ایک خاص نقطۂ نظر کے حامل ہیں، جو ان کے نزدیک نہایت معقول و منطقی ہے مگر ایک ایسی قوم جو نہ صرف عقیدے و عبادت کی حد تک بلکہ معاملات و معاشرت کے معمولی سے معمولی، چھوٹے سے چھوٹے امور میں احکام دین و مذہب اور اللہ اور رسول کے فرمان سے سرمو ہٹنے کو ایمان سے خارج ہونا تصور کرتی ہو جو مسلم پرسنل لا کی بنیاد قانونِ اسلامی کے سرچشمہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی تصریحات یا ائمہ اسلام کے ان اجتہادات کو مانتی ہو، جو قرآن و حدیث کی روشنی میں کئے گئے ہیں اور جو اس کو آخرت میں نجات کے لئے شرط قرار دیتی ہو، اللہ کی رضا و ناراضگی کو اس بات پر منحصر جانتی ہو کہ اس کے بتلائے ہوئے اصولوں پر عمل کرنا ہے، اور اس کے فرمائے ہوئے ممنوعات سے باز رہنا ہے، وہ بھلا یکساں سول کوڈ کے اس فلسفے کو کس طرح قبول کرسکتی ہے کہ کوئی وضعی قانون ان سے یہ روحانی دولت سلب کر لے اور سب کو ایک فرمانِ انسانی تھما دے جبکہ مسلمان کے سامنے حکم یہ ہے کہ تم انسانوں

کے بنائے قوانین (اورخصوصاً ان قوانین کے پابند نہیں ہو جو خدا کے قوانین سے متصادم ہوں) بلکہ یہ حکم سنو لکل جعلنا منکم شرعة ومنهاجا ۔ اور ہم نے تم میں سے ہر امت کے لئے ایک شریعت اور آئین زندگی مقرر کردیا ہے۔" (مائدہ - ۷) فرمائیے جعلنا کا لفظ "نا" تو بتارہا ہے کہ حاکموں کا حاکم بادشاہوں کا بادشاہ کائنات کا خالق "اللہ تعالٰی" جو شریعت اور آئین زندگی دے رہا ہے اس پر چلو ، اور کوئی کہہ رہا ہے کہ اپنے ان قوانین کو الگ رکھو ، ایک ایسے قانون کو اپنا لو جو معاشرت ، سماج ، تمدن کی بنیاد پرست کے لئے یکساں ہوں ، مذہبی اور شرعی روح بلا سے مجروح ہوتی ہو۔

اللہ تو اپنے احکام کے لئے ، اس پر عمل کے لئے اپنے معصوم نبی برحق کو سامنے رکھ کر فرمارہا ہے ، ما اتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا ۔ اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم تم کو جو حکم دیں اسے قبول کرو اور جس بات سے منع کریں اس سے رک جاؤ (حشر ۱۱)

اب بطور احکام ایک مسلمان نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت ہی کا پابند ہے یعنی جو آپ فرمائیں وہ وہی کہنے پر ، اور جس چیز کو آپ منع فرمائیں ، اس سے باز رہنے پر مامور ہے ، اس طرح دینی امور میں قرآن ہی کے حکم کے مطابق ، " حدیث " اس کے لئے احکام کا سرچشمہ قرار پایا ، اس میں اس حیثیت سے " اور کسی قانون کی کہاں گنجائش ہے ۔

انہیں دونوں سرچشموں کی طرف امت کی توجہ پھیرنے کے لئے نبی آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم نے تاکیداً آخری حج کے موقع پر یوں فرمایا " تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ يَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا ، كتاب الله و سنة رسول الله " میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے ، اللہ کی کتاب (قرآن) اور اللہ کے رسول کی سنت (حدیث) (موطا امام مالک)

یہاں ایک بار پھر ہم اپنے قاری کو دستور کی طرف زحمتِ توجہ دینگے، آئین کی دفعہ ۲۵ نمبرا میں وضاحت ہے کہ (باب ۳ " بنیادی حقوق " کی دیگر دفعات کے تابع ہر شہری کو مذہبی عقائد رکھنے، اس پر آزادانہ عمل کرنے اور مذہبی تبلیغ کی آزادی ہے) ایک مسلمان کے لئے فرمان رسول کے مطابق " قرآن و حدیث کو مضبوطی سے پکڑنا " اس کے مطابق اپنی زندگی پر چلنا، یہی تو " آزادانہ عمل ہے "۔اب اگر کوئی قانون اسے روکتا ہے، یا محدود و مسدود کرتا ہے تو کیا یہ ۲۵ و ۲۶ میں دی گئی ضمانت سے تصادم نہیں ہے؟

مسلمان کو تو حکم یہ ہے کہ اپنے ظاہر و باطن، عقیدہ وعمل میں صرف احکام اسلام کی اتباع کرو، اپنی عقل یا دوسرے کے کہنے سے ہرگز کوئی حکم تسلیم نہ کرو، حتیٰ کہ کسی اچھے عمل کو بھی اگر اپنی طرف سے دین میں داخل کرلوگے تو وہ بھی قابلِ قبول نہ ہوگا، جب تک شریعت اس کا حکم نہ دے تو بھلا شریعت کے کسی حکم کو چھوڑنے کا تو سوال ہی کہاں ہوتا ہے، اسلامی احکام کے ساتھ کسی دوسری قسم کے احکام کا جوڑ لگ ہی نہیں سکتا، چنانچہ چند یہودی جب سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر مشرف با اسلام ہوئے اور انہوں نے احکام اسلام کے ساتھ ساتھ تورات کے بعض احکام پر عمل کرنا چاہا تو فوراً ممانعت کردی گئی، اس تمام بحث کے لئے قرآن پاک نے ایک جامع انداز اپنا کر تنبیہ فرمادی، یا ایہا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ " اے ایمان والو! داخل ہوجاؤ اسلام میں پورے "" (البقرہ رکوع ۸)

اب رہے پرسنل لا سے متعلق موضوعات (خواہ وہ مدون پرسنل لا کے موضوعات ہوں یا غیر مدون سر دست یہ ہمارے موضوع سے خارج ہے، ہم نے شروع ہی میں عرض کردیا ہے کہ یہ چیز روز روشن کی طرح عیاں ہے، اپنے تو اپنے، غیر بھی اسے تسلیم کرتے ہیں، مانتے ہیں، ظاہر میں کسی مصلحت سے نہ سہی، دل سے اس کی خوبیوں کو مانتے ہیں اور عملاً بھی اعتراف کرتے ہیں، اب اس کا کیا کیا جائے کہ اس کے باوجود بھی بعض گروہ اور

جماعتیں برابر مشترکہ سول کوڈ کے نفاذ کا مطالبہ کرتی رہتی ہیں، پرسنل لا کی ترمیم اور اصلاح کا یہ مطالبہ، جو آجکل پیش کیا جا رہا ہے، دراصل اسی مقصد کو حاصل کرنے کی طرف ایک قدم ہے۔

پرسنل لا اور اصلاح پسند مسلم دانشور

افسوس تو یہ ہے کہ ترمیم و اصلاح کی یہ تجویز بعض مسلمانوں کی طرف سے بھی سنائی دیتی رہتی ہے، ایسے لوگوں نے اپنے دماغ میں یہ بات بٹھائی ہے کہ پرسنل لا کا دین و شریعت سے کوئی لازمی تعلق نہیں ہے، پرسنل لا شریعت کا کوئی ایسا ناقابل تنسیخ جزو اور حصہ نہیں ہے کہ اس میں ذرا سی ترمیم و اصلاح سے کوئی قیامت آجائے گی، گویا انہوں نے پرسنل لا اور اسلامی نظام کو عبادات، روزہ، نماز وغیرہ میں محدود کر دیا ہے، باقی رہے اجتماعی انفرادی سماجی مسائل ان کو اس سے الگ کر لیا ہے۔

دوسرے یہ مسلم دانشور، بنام ترمیم و اصلاح جو فہرست پیش کرتے ہیں، حیرت ہوتی ہے کہ اس میں بعض واضح، غیر مبہم منصوص احکام تک ترمیم و اصلاح کی لپیٹ میں آجاتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ مسلمان جو اب بھی ان احکامات کو چمٹے ہوئے ہیں، ان کی ترقی اور اعلیٰ دماغی کی راہ میں یہ بہت بڑا مانع ہے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

اسلام نے ہنگامی ضرورت اور وقتی حالات کا کس درجہ امتیاز قائم رکھا ہے فقہ کی اس ایک مستقل اصل سے یہ بات ظاہر ہے، الضرورات تبیح المحظورات "یعنی ضرورتیں منہیات و ممنوعات کو بھی مباح کر دیتی ہیں"

یا فقہ کی مشہور کتاب "الدر المختار" میں خلیفہ ہارون رشید کے چیف جسٹس مشہور امام ابو یوسف کا یہ قول منقول ہے، مَنْ لَمْ یَکُنْ عَالِمًا

باحوال زمانہ لم یجزلہ الفتوی (جو شخص اپنے زمانے کے حالات سے
واقف نہیں اس کے لئے فتوی دینا جائز نہیں۔

کیا اب بھی کہا جا سکتا ہے، یہ مسائل جن کو آج ترمیم وتبدیلی کا موضوع بنایا جارہا
ہے، اگر نصوص الحکم نہ ہوتے اور محتاج غور وفکر ہوتے تو یہ اساطین امت ایسے تشنہ
چھوڑ جاتے، اور کیا اسلام حالات و ضرورت کا بالکل لحاظ نہیں رکھتا اور مقتدر علماء
قاضی اور مفتی زمانے کے حالات سے بالکل کورے تھے، بے شک آج کے دور کے
تقاضے کچھ اور ہیں تو کیا ہر کس و ناکس ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے دین وشریعت
کو تختہ مشق بنائے گا، یہاں کسی امام، عالم کی بات نہیں (کسان کی بات درخور اعتناء
نہیں سمجھی جاتی) ایک مشہور اسلامی فلاسفر اور مفکر کا قول قابل غور ہے، علامہ اقبال
اجتہاد کے بارے میں فرماتے ہیں " یہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے، اسے وہی
کر سکتے ہیں جو فقہ کے تمام ماخذ سے براہ راست نہ صرف یہ کہ واقف ہوں بلکہ دقت و
وسعت نظر بھی رکھتے ہوں اور ساتھ ہی وہ صاحب ورع وتقوی بھی ہوں۔
(خطبات اقبال) آخری شرط خاص طور پر قابل توجہ ہے۔

ہمیں اپنے مسلم مفکرین سے یہ دوستانہ شکوہ ہے کہ جب آپ ہی کے نزدیک اصول
شریعت نامعتبر اور محتاج اصلاح ٹھہرا، تو غیروں کو اس کی جگہ "مشترک قانون" یا
دوسرا قانون وضع کرنے میں کیا باک ہوگا۔

آخری گذارش، ایک درد ایک کراہ

آخر اس ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی اور پنجۂ استبداد سے آزاد کرانے
میں مسلم مجاہدین کسی سے پیچھے تو نہیں رہے، جیل کی دیواریں، قید خانے کی کوٹھریاں
پھانسی کے پھندے اور ان کے تختے، گولیاں، توپ، جلتے ہوئے تیل میں پکتے
کھولتے جسم، جزیرہ انڈمان مالٹا، کراچی، الہ آباد، لکھنؤ، مرادآباد، احمدآباد،

فیض آباد کی جیلیں، درختوں پر لٹکتی ہوئی جھولتی ہوئی لاشیں، یہ تمام دردناک مظالم اور ان کی داستانیں مسلمان شہداء اور مجاہدین کے کارناموں سے بھی تو رنگین ہیں، کیا اُن قربانیوں کا یہی بدلہ ملنا چاہیئے، کہ ان کی اقتصادیات، جائداد مکان، تعلیم، جان وجسم تو تباہ تھی ہی، اور اب بات ان کے ایمان اعتقاد، تشخص، ملی تشخص اور پرسنل لا کی بربادی تک آپہنچی ہے، بے ایمان، بے انصاف لوگوں کی سمجھ میں تو نہیں آسکتا، مگر کیا حکومت بھی ہماری ان قربانیوں کو فراموش کر دے گی جس کی ہمیں امید تو نہیں ہے۔

ہم تو یہ توقع رکھتے تھے کہ حکومت، خصوصاً ہمارے وزیر اعظم، جس بیدار مغز، وسیع النظر خاندان (نہرو خاندان) کے چشم وچراغ ہیں اسی ماحول میں تربیت پائے ہوئے ہیں، اور سیاست کی نوک وپلک وہیں سیکھی ہے، جہاں وہ ملک کے تمام بہادر شہیدوں کی یادگار قائم کر رہے ہیں، نہایت فراخ دلی محبت واحترام کے ساتھ ٹیپو، احمد اللہ، عنایت علی، فضل حق، امداد اللہ، محمد قاسم، محمود حسن پیر ضامن، حسین احمد، عزیر گل، احمد سعید، کفایت اللہ وغیرہم (رحمہم اللہ) ایسے جیالوں اور وطن پر مٹنے والوں کو بھی یاد رکھیں گے، ہم ان بزرگوں کا اسٹیچو، ان کی تصویروں کی نقاب کشائی نہیں چاہتے، اور بھی تو بہت سی صورتیں قدردانی اور عزت افزائی کی ہیں، اور کچھ نہ سہی! کیا ان کے وطن میں، جس کا چپہ چپہ انکی قربانیوں کے خون سے رنگین ہے، ان کا اسلام، ان کا مذہبی قانون، ان کا پرسنل لا بھی محفوظ نہیں رہ سکتا؟

تو اب ہم یہی کہیں گے، بہادر مجاہدو! مقدس روحو!، تمہاری روح کو ہم بدنصیبوں کا سلام پہنچے، افسوس! ہم تمہاری قدر نہ کر سکے، تم نے تو عظیم مقصد کے لئے جان دیدی مگر ہم تمہاری کوششوں سے آزاد کردہ ملک میں شرافت وآدمیت

سے جینا بھی نہ سیکھ سکے، تم نے ہمارے جسموں کو انگریزوں سے آزاد کرایا، ہم اپنے ذہن و
دماغ کو ان کی غلامی سے آج تک آزاد نہ کر سکے، تم نے نام آوری نہ چاہی، شہرت نہ چاہی
پنی قربانیوں کا دنیا میں بدلہ نہ چاہا بلکہ اپنے کراہتے، سسکتے غلامی کے شکنجوں میں کسے
ہوئے ملک کو ظالموں سے چھڑایا تو یہ سب محض اللہ کے لئے اللہ کے بندوں کے لئے کیا۔
بے شک تم نے انسانوں سے، کسی حکومت سے، دنیا کی کسی طاقت سے اس
بدلہ نہیں چاہا، تو پھر خوش رہو! مجاہدین کی ارواح! تمہارا بدلہ، تمہارا انعام اسی حکم
لحاکمین کے پاس ہے۔

تم بھی اس دربار میں حاضر ہو، اور جو تمہاری قربانیوں کو نظرانداز کر کے تمہارے
حقوق کو پامال کر کے تمہارے دین، عقیدے، اصول و احکام کو میٹ دے گا اسے بھی
سی دربار میں حاضر ہونا ہے۔

یہ تو تھی عاجز مضمون نگار کی کوشش، جس میں واقعات، دلائل، تاریخ اور بحث
مباحثے کی روشنی میں باتیں کی گئیں، عل کیا ہے، صورتحال کیا ہے اصلیت اور واقعہ
یا ہے، معاف فرمائیں زحمت دے رہا ہوں " قومی آواز مورخہ ۶ رجنوری ۱۹۸۶ء
روز دوشنبہ " کے دو جزوں کا محض عنوان " بلا تبصرہ " ملاحظہ فرمائیں " شاہ بانو
یس میں سپریم کورٹ کا فیصلہ رد نہیں کیا جائے گا، حکومت مطلقہ عورت کا نفقہ یقینی
نائے گی، مشترکہ سول کوڈ کا مطالبہ نیک فال۔ مرکزی وزیر قانون بھاردواج کا بیان "
دوسری خبر۔ شرعی قاضی کا عہدہ بحال کیا جائے، جمعیۃ العلماء ہند کا مطالبہ۔
تبصرہ تو نہیں، مگر ایک درد بھرے تاثر کا اظہار ضرور کرنا ہے، جمعیۃ اپنے روایتی
د وجہد کی بنا پر، شرعی قاضی کے مطالبے میں لگی ہوئی ہے جبکہ پہلی خبر کے مطابق، یہاں
ریعت ہی کے لالے پڑ رہے ہیں۔　خدا خیر کرے۔

آج کل یکساں سول کوڈ کے نام پر ہندوستان میں ایک قوم ایک زبان، ایک کلچر کا نعرہ لگایا جارہا ہے، اور قومی یکجہتی، قوم پرستی اور حب الوطنی کا لبادہ اوڑھ کر لسانی مذہبی اور تہذیبی انفرادیت کی سعی کی جارہی ہے، اور اکثریت کے ایک طبقہ کے ذریعہ مسلم اقلیت سے یکساں سول کوڈ قبول کرنے کا مطالبہ کیا جارہا ہے اور مسلمانوں کے انکار پر دھمکی آمیز لہجہ میں انہیں مرعوب کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، کبھی کہا جاتا ہے کہ ملک میں مسلمانوں کے الگ اور ہندوؤں کے الگ دو طرح کے قوانین نہیں چل سکتے کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ تمام ہندوستان کے لئے بلا تفریق مذہب یکساں پرسنل لا ہونا چاہئے اور محض دستور کا حوالہ دے کر لوگوں کا اعتماد حاصل کیا جارہا ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اکثریت کا عمل ان تحفظات سے ہم آہنگ نہیں ہے جو دستور نے اقلیتوں کو دیئے ہیں ـــ

اکثریتی طبقہ کی طرف سے یہ اصرار کہ مسلمان ان کے ساتھ ہم رنگی کا تعلق رکھیں، ان

کے اپنے خیال میں ممکن ہے کسی خلوص اور بے غرضی پر مبنی ہو۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ اصرار دوسروں کے لئے قابل قبول ہو اگر یہ لوگ اپنے ماضی کو نہیں بھول سکتے تو مسلمانوں سے بھی ماضی فراموش کرنے کی توقع نہ کرنی چاہئے۔

جمہوریت صرف ایک طرز حکومت ہی نہیں طرز فکر اور طریقۂ زندگی بھی ہے اگر ذہن ومزاج جمہوریت کے سانچے میں نہ ڈھلا ہو تو پھر جمہوریت اکثریت کی آمریت میں بدل جاتی ہے، ہندوستان جیسے وسیع وعریض ملک میں سردست کسی مطلق العنان آمر کے غلبہ حاصل کرنے کا امکان نہیں ہے لیکن اکثریت کی آمریت کا غلبہ ہونے کا خطرہ ضرور ہے، ہندوستان کے جمہوری آئین میں لسانی، مذہبی اور تہذیبی اقلیتوں کو پورا تحفظ فراہم کیا گیا ہے، لیکن اکثریت میں ان کی انفرادیت اور تشخص کو ختم کرنے کا رجحان پایا جارہا ہے، یکساں سول کوڈ کو نافذ کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام مذاہب کی آزادی سلب کرکے اپنا بنایا ہوا قانون نافذ کیا جائے، ایک ہی لکڑی سے سب کو ہانکنے کا نام جمہوریت نہیں ہے، نہ ہی مسلمان اس کو برداشت کرسکیں گے۔

بات دراصل یہ ہے کہ غیروں کے معاشرہ کی بساط تمامتر نفسانی خواہشوں اور لذتوں، نام ونمود، اور فخر ومباہات پر بچھی ہوئی ہے، اور قوت وشوکت کے سایہ میں یہ معاشرہ پرورش پارہا ہے، جو طبعی طور پر نفس کو انتہائی محبوب دکھائی دیتا ہے اس کے برخلاف اسلامی معاشرہ کی بساط سادگی اور تواضع اور زہد وقناعت خداترسی، خداپرستی اور نفس کشی پر بچھی ہوئی ہے، جس کو طبعی طور پر نفس پسند نہیں کرتا افسوس کہ مسلمان بھی اب اس رو میں بہے جارہے ہیں، جو قومیں ان کے اسلاف کی ماتحت اور باجگذار تھیں انکے پیچھے پیچھے دوڑ رہے ہیں، اور کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ کے افکار وخیالات اور ان کی مماثلت اور مشابہت وہم رنگی بھی اختیار کرتے جارہے ہیں اور اپنے اسلامی تہذیب وتمدن اور اسلاف کے فضائل

عادات اور طور طریقے کو ترک کرتے جا رہے ہیں، تاریخ گواہ ہے کہ جن متمدن قوموں نے انبیاء کرام کے مقابلے میں اپنی قوت کا نعرہ لگایا اور تمدن و معاشرہ میں دنیا سے آگے نکل گئیں، انبیاء کرام کی گدڑی، کمبل، عمامہ، دستار، تہبند اور ازار کا مزاق اڑایا اور ان کے مقدس طور طریقوں کا تمسخر کیا، تو انجام کار یہ ہوا کہ وہ سب کے سب تباہ اور برباد ہو گئے، کسی کا نام و نشان نہ رہا کسی کو اللہ تعالے نے غرق کر دیا، کسی کو زمین میں دھنسا دیا اور کسی پر آسمان سے پتھر برسائے اور کسی کو چیخ سے ہلاک کر دیا، فَهَلْ تَرَىٰ لَهُم مِّن بَاقِيَةٍ۔

یکساں سول کوڈ یا بالفاظ دیگر غیروں کے ساتھ ہم رنگی ان اہم ترین مسائل میں سے ہے جن پر اسلام کے بہت سے احکام قابل تسلیم نہ رہیں گے، جو لوگ یکساں سول کوڈ کے دلدادہ اور شیدائی ہیں، ان کا سب سے زبردست حملہ اسلام کے تشخصات پر ہے، وہ لوگ اپنی تمام تر کوششیں اسلامی تشخصات کے مٹانے میں صرف کر رہے ہیں، تاکہ آئندہ کے لئے راستہ صاف ہو جائے اور مسلمان صرف زبان کے اعتبار سے مسلمان کہلائیں اور معاشرہ اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے اغیار میں گھل مل جائیں۔

حالانکہ کتاب و سنت کے نصوص سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ دینی و دنیوی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جہاں شریعت غرا نے کفر اور شرک کی نجاست اور ظلمت کی مشابہت سے حفاظت کا حکم نہ دیا ہو اور پوری قوت کے ساتھ یہ ثابت کر دیا ہے، کہ صراط مستقیم کا اقتضاء یہی ہے کہ اغیار کی مشابہت اور ہم رنگی سے احتراز کیا جائے۔

تفسیر و حدیث، فقہ اور علم عقائد کی کوئی کتاب مسئلہ تشبہ سے خالی نہیں، فقہاء اور متکلمین نے تو اس مسئلہ کو باب الارتداد میں ذکر کیا ہے، کہ کن چیزوں کا ارتکاب کرنے

سے مسلمان مرتد ہوجاتا ہے، اور دائرۂ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے آٹھویں صدی کے مشہور ومعروف عالم شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے اس مسئلہ کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے "اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم"، کے نام سے ایک مبسوط کتاب لکھی ہے، جس میں انہوں نے غیروں کی مشابہت اوران کے تہذیب وتمدن اختیار کرنے پر مختلف پہلوؤں سے کتاب وسنت اور عقل ونقل کی روشنی میں کلام فرمایا ہے، کچھ اس میں سے ہم بھی خوشہ چینی کرتے ہوئے یہ چند سطریں ہدیۂ ناظرین کررہے ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے زمین سے لیکر آسمان تک تمام چیزوں کو خواہ وہ حیوانات ہوں یا نباتات وجمادات ہوں ایک ہی مادہ سے پیدا فرمایا، مگر اس کے باوجود ہر چیز کی صورت وشکل علیحدہ بنائی تاکہ ان میں باہم امتیاز قائم رہے اور ایک دوسرے سے پہچانا جائے کیونکہ امتیاز کا ذریعہ صرف یہی ظاہری شکل وصورت اور ظاہری رنگ وروپ ہے، انسان اور حیوان میں، شیر اور گدھے میں، گھاس اور زعفران میں باورچی خانہ اور پاخانہ میں، جیل خانہ اور شفا خانہ میں جو امتیاز ہے وہ اسی ظاہری شکل اور ہیئت کی بناء پر ہے، اگر اس مادی عالم میں ان امتیازات وخصوصیات کی حفاظت نہ کی جائے اور التباس واختلاط کا دروازہ کھول دیا جائے، تو پھر مختلف چیزوں کی نوعیت کا وجود باقی نہ رہے گا۔

اسی طرح دنیا کی قومیں ایک باپ ہونے کے باوجود اپنے معنوی خصائص اور باطنی امتیازات کے ذریعہ ایک دوسرے سے ممتاز ہیں مذہب وملت کے اختلاف کے علاوہ ہر قوم کا تمدن اس کی تہذیب، اس کا معاشرہ، اس کا طرز لباس خورد ونوش کا طریقہ دوسری قوم سے جدا ہے اور ایک خدا کے ماننے کے باوجود ہر ایک کی عبادت کی صورت وشکل علیحدہ ہے، ایک مسلم اور موحد مشرک اور بت پرست سے علیحدہ ہے ایک عیسائی ایک پارسی سے جدا ہے۔

غرض یہی قوموں کے وہ خصوصیات وامتیازات ہیں اور یہی مخصوص شکلیں اور ہیئتیں ہیں جن سے ان کی مذہبی اور معاشرتی خصوصیات باقی ہیں، جب تک کسی قوم کے اندر اس کے تشخصات وامتیازات اور مذہبی و معاشرتی خصوصیات کی حفاظت باقی رہے گی وہ قوم بھی مستقل اور زندہ باقی رہیگی اور جب کسی قوم نے اپنی خصوصیات اور امتیازات کو چھوڑکر دوسری قوم کے خصوصیات کو اختیار کیا، صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔

تشبیہ بالاغیار کا مفہوم | تشبیہ کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی حقیقت یا اپنی صورت وسیرت اپنی ہیئت و وضع، مذہبی اور قومی امتیازات اور اپنی ہستی کو چھوڑکر دوسری قوم کی حقیقت اس کی صورت وسیرت اس کی ہیئت و وضع اور اس کی مذہبی وتعلیمی امتیازات کو اختیار کرے اور دوسری قوم کے وجود میں ضم ہو جائے اور اپنے آپ کو اس میں فنا کر دے۔

اسلام نے مسلمانوں کو دوسری قوموں کے تشخصات اور امتیازات کو اختیار کرنے سے منع کیا ہے، یہ ممانعت معاذاللہ کسی تعصب اور تنگ نظری کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ غیرت وحمیت کی بناء پر ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ امت مسلمہ کو غیروں کے ساتھ التباس واشتباہ کی تباہی سے محفوظ رکھا جائے کیونکہ جو قوم اپنی خصوصیات اور امتیازات کی حفاظت نہ کرے وہ زندہ، آزاد اور مستقل قوم کہلانے کی مستحق نہیں اس لئے شریعت حکم دیتی ہے کہ مسلم قوم دوسری قوموں سے ظاہری طور پر ممتاز اور جدا ہو کر رہے لباس میں بھی وضع قطع میں بھی ایک تو جسم میں ختنہ اور ڈاڑھی کو مسلمان کی علامت ضروری قرار دی گئی ہے دوسرے لباس کی علامت یعنی مسلمان اپنے اسلامی لباس کے ذریعہ دوسری قوموں سے شناخت کئے جا سکیں۔

یاد رکھئے غیروں کی مشابہت مسلمانوں کے لئے نہایت خطرناک ہے بعض مشابہت ایسی ہیں جن کی وجہ سے آدمی اسلام سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور کفر کا اندیشہ ہو جاتا ہے

ہے اور کبھی حرام کے اندر ملوث ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ فقہاء کرام نے لکھا ہے اعتقادات اور عبادات میں اغیار کی مشابہت کفر ہے اور مذہبی رسومات میں مشابہت اختیار کرنا مثلاً زنار باندھنا یا پیشانی پر قشقہ لگانا یا سینہ پر صلیب لٹکانا اور کھلم کھلا کفر کے شعائر کو اختیار کرنا دلی طور پر اس سے راضی ہونے کی علامت ہے، اس لئے یہ بلاشبہ حرام ہے اور اس میں کفر کا اندیشہ ہے ۔ معاشرہ اور عادات اور قومی شعائر میں مشابہت اختیار کرنا مثلاً کسی قوم کا مخصوص لباس استعمال کرنا جو خاص ان ہی کی طرف منسوب ہو اور اس کا استعمال کرنے والا اسی قوم کا فرد سمجھا جانے لگے جیسے سر پر عیسائی ٹوپی (ہیٹ) رکھنا، ہندوانہ دھوتی، جوگیانہ جوتی یہ سب مکروہ تحریمی اور ناجائز و ممنوع ہیں اور اگر فخر کی نیت سے استعمال کی جائیں تو اور بھی زیادہ گناہ ہے ۔

اسی طرح غیر کی زبان، ان کے لب ولہجہ اور طرز کلام کو اس لئے اختیار کیا جائے کہ ہم بھی انگریزوں کے مشابہہ بن جائیں اور ان کے زمرہ میں داخل ہو جائیں یا سنسکرت اس لئے سیکھی جائے کہ پنڈتوں کی مشابہت ہو اور وہ بھی ہمیں اپنے زمرہ میں شمار کریں تو یہ مشابہت بھی ممنوع ہے، البتہ اگر ان لوگوں کی مشابہت مقصود نہ ہو محض ضرورت کی بنا پر ان کی زبانیں سیکھی جائیں تاکہ ان کے اغراض سے واقفیت اور آگاہی حاصل ہو اور ان کے خطوط پڑھ سکیں اور ان سے تجارتی اور دنیاوی امور میں خط وکتابت کر سکیں تو اس صورت میں غیروں کی زبان سیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔

غرض کسی بھی چیز کا استعمال غیروں کی مشابہت کی نیت سے اور دشمنان دین کی مشابہت کے ارادے سے کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں ان کی طرف رغبت اور میلان ہے، خداوند قدوس کو یہ گوارا نہیں کہ اس کے دوست اور نام لیوا (یعنی مسلمان) اس کے دشمنوں (یعنی کافروں) کی مشابہت اختیار کریں یا ان کی .. مشابہت اختیار کرنے کی نیت وارادہ سے کوئی کام کریں ۔

غیروں کی مشابہت کے نقصانات

غیروں کی مشابہت اختیار کرنے میں بہت سے نقصانات ہیں، ہم نہایت اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(۱) کفر اور اسلام میں ظاہری طور پر کوئی امتیاز باقی نہ رہے گا اور حق مذہب یعنی اسلام دیگر مذاہب باطلہ کے ساتھ ملتبس ہو جائیگا۔

(۲) غیروں کا معاشرہ اور تمدن اور لباس اختیار کرنا درحقیقت ان کی سیادت اور برتری تسلیم کرنے کے مرادف ہے نیز اپنی کمتری اور کہتری اور تابع ہونے کا اقرار و اعلان کا اظہار ہے اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے تمام اقوام پر برتری عطا فرمائی ہے اور پوری دنیا کا حکمراں اور معلم بنایا ہے حاکم اپنے محکوم کی تقلید نہیں کیا کرتا، پھر دین اسلام نہایت کامل اور مستقل دین ہے، یہ اوروں کی تقلید کا حکم کیونکر دے سکتا ہے۔

(۳) غیروں سے مشابہت اختیار کرنے سے ان کے ساتھ محبت پیدا ہوتی ہے، جبکہ اسلام میں غیروں سے دلی محبت صراحتاً ممنوع قرار دی گئی ہے۔

(۴) آہستہ آہستہ ایسا شخص اسلامی تمدن کا استہزا اور تمسخر کرنے لگتا ہے، ظاہر ہے کہ اسلامی تمدن کو اگر اہمیت دیتا اور اسے حقیر نہ سمجھتا تو غیروں کے تمدن کو اختیار ہی نہ کرتا۔

(۵) جب اسلامی وضع کو چھوڑ کر اغیار کی وضع اختیار کرے گا تو قوم میں اس کی عزت باقی نہ رہے گی، ویسے بھی نقل اتارنے والا خوشامدی کہلاتا ہے۔

(۶) دعوی اسلام کا مگر لباس، کھانا پینا، معاشرہ، تمدن، زبان اور طرز زندگی یہ سب کام اسلام کے دشمنوں جیسا اختیار کرنے کا معاذ اللہ یہ مطلب نکلتا ہے کہ لاؤ ہم بھی غیر مسلم بنیں گرچہ صورت ہی میں سہی۔

(۷) دوسری قوموں کا طرز زندگی اختیار کرنا اسلام سے اور اپنی مسلم قوم سے بے تعلقی کی دلیل ہے۔

(۸) غیروں کی مشابہت اختیار کرنا عیرت اور حمیت کے خلاف ہے۔

(۹) غیروں کی مشابہت اختیار کرنے والوں کے لئے اسلامی احکام جاری کرنے میں دشواریاں پیش آتی ہیں، مسلمان اس کی شکل وصورت دیکھکر گمان کرتے ہیں کہ یہ کوئی یہودی یا عیسائی یا ہندو ہے، سلام جیسی پیاری دعا سے محروم رہتا ہے، دیانات میں اس کی گواہی بھی تسلیم نہیں کی جاتی اگر کوئی لاش کا فرنما انسان کی مل جاتی ہے تو تردد ہوتا ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے اور اس کو کس قبرستان میں دفن کیا جائے۔

(۱۰) جو لوگ غیروں کے معاشرے کو اپنا محبوب معاشرہ بناتے ہیں وہ ہمیشہ ذلیل وخوار رہتے ہیں کیونکہ عشق ومحبت کی بنیاد تذلیل پر ہے یعنی عاشق کو ہمیشہ اپنے معشوق کے سامنے ذلیل وخوار بن کر رہنا پڑتا ہے۔

اس قدر مفاسد کے ہوتے ہوئے اپنے دشمنوں کے معاشرے کو پسند کرنا اور انہیں عزت وشوکت کی چیز سمجھنا، انبیاء کرام اور صلحاء کی مشابہت سے انحراف کرکے اغیار کی مشابہت اختیار کرنا اور ان کے معاشرے میں رنگ جانا یقیناً ہماری ذلت ورسوائی، بے عزتی اور انحطاط اور تنزل کا سبب ہے، اس میں عزت ووقعت ہرگز نہیں ہے، اور نہ ہی اس سے دشمنان اسلام مسلمانوں سے خوش ہوں گے، تا وقتیکہ مسلمان ان ہی کے مذہب کے پیروکار نہ بن جائیں قرآن نے صاف کہہ دیا ہے۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ۔ (بقرۃ، آیت ۱۲۰)	اور یہود ونصاریٰ تم سے کبھی خوش نہ ہونگے جب تک تم ان کے مذہب کا اتباع نہ کرنے لگو۔

غیروں کی مشابہت کیوں ممنوع ہے

اسلام ایک نور اور کامل ومکمل اور حق مذہب ہے اور تمام مذاہب کا ناسخ

بن کر آیا ہے وہ اپنے ماننے والوں کو کفر و شرک کی ظلمت اور تاریکی سے نکال کر نور کیطرف اور باطل سے ہٹا کر حق کی طرف اور ذلت سے ہٹا کر عزت کی دعوت دیتا ہے وہ اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا ہے کہ ایسے مذاہب جو ناقص اور منسوخ ہو چکے ہیں ان کے پیرؤوں کی مشابہت اختیار کی جائے، غیروں کی مشابہت اختیار کرنا اسلامی غیرت و حمیت کے خلاف ہے۔

اسلام جس طرح اپنے اعتقادات و عبادات میں مستقل ہے کسی کا تابع اور مقلد نہیں اسی طرح وہ اپنے معاشرے اور عادات میں بھی مستقل ہے کسی دوسرے کا تابع و مقلد نہیں، اسلام کے نام لیوا حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت ہیں ان کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ اغیار کی ہیئت اختیار کریں، جس سے دوسرے دیکھنے والوں کو اشتباہ پیدا ہو غالباً کسی حکومت میں ایسا نہیں ہے کہ اس سلطنت کی فوج دشمنوں کی فوج کی وردی استعمال کرے، جو سپاہی ایسا کرے گا وہ گردن زدنی کے قابل سمجھا جائے گا اسی طرح اگر کوئی جماعت حکومت سے بغاوت کرے اور وہ جماعت اپنا کوئی امتیازی لباس یا نشان اختیار کرے تو حکومت اپنے وفاداروں کو ہرگز ہرگز اس باغی جماعت کا نشان اختیار کرنے کی اجازت نہ دیگی، کس قدر حیرت کی بات ہیکہ ایک حکومت کی فوج کے جرنیل کو تو یہ حق حاصل ہو کہ وہ دوسری حکومت کی فوج کی وردی اور شناخت اختیار کرنے کو جرم قرار دے کیونکہ وہ اس حکومت کی دشمن ہے، مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق حاصل نہ ہو کہ وہ دشمنانِ خدا کی وضع قطع کو جرم قرار دیں۔ کیوں نہیں مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ، جو خدا کے دشمنوں کی مشابہت اختیار کرے گا، اور ان کی ہی وردی اور ان ہی کا طور طریقہ اور معاشرت اختیار کرے گا تو وہ بلاشبہ دشمنان خدا کی فوج میں سمجھا جائے گا۔

لہذا جس طرح اسلام کی حقیقت کفر کی حقیقت سے جدا ہے اسی طرح اسلام یہ چاہتا ہے کہ اس کے پیرؤوں کی شکل و صورت لباس، طور طریقہ بھی اس کے دشمنوں

سے جدا اور علیحدہ ہو، دنیا میں ظاہری صورت اور شکل ہی امتیاز کا ذریعہ ہے، خدا نخواستہ شریعت میں اغیار کی مشابہت کی ممانعت کسی تعصب کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ یہ اسلامی عزیمت و حمیت اور خود اختیاری کے تحفظ پر مبنی ہے کیونکہ کوئی قوم اس وقت تک قوم نہیں کہلا سکتی جب تک اس کی خصوصیات اور امتیازات پائدار اور مستقل نہ ہوں، مذہب اسلام اور مسلمانوں کو کفر و الحاد اور زندقہ سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسلامی خصوصیات اور امتیازات کو محفوظ رکھا جائے اور اغیار کے تشبہ سے انہیں بچایا جائے کیونکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ مشابہت کا مفہوم اپنی ہستی کو دوسرے میں فنا کر دینے کے ہیں، خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا۔ — اے ایمان والو کفر اختیار کرنے والوں کے مانند اور مشابہ نہ بنو۔

(آل عمران آیت ۱۵۶)

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ۔ — اے ایمان والو ان لوگوں کے مانند نہ بنو جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا پہونچائی۔

(احزاب آیت ٦٩)

ایک مقام پر ہے۔

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ — کیا مسلمانوں کے لئے وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کردہ حق کے سامنے ان کے دل جھک جائیں اور ان لوگوں کے مشابہ نہ بنیں جن کو پہلے کتاب دی گئی، (یعنی یہود و نصاریٰ) جن پر زمانہ

قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ (حدید آیت ۱۶)

دراز گذرا پس ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے ان میں سے بدکار ہیں۔

اس آیت میں یہ اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے اگر یہود و نصاریٰ کی مشابہت اور مماثلت اختیار کی گئی تو قلب بھی ان ہی کی طرح سخت ہو جائیں گے، اور قبولِ حق کی صلاحیت بھی جاتی رہے گی۔

ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ (ھود آیت ۱۱۳)

اور ان لوگوں کی طرف نہ جھکو جو ظالم ہیں مبادا تمہیں جہنم کی آگ پکڑلے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست نہیں پھر تم کہیں مدد نہ پاؤگے

غیروں کا لباس اور ان کا شعار اختیار کرنا ان سے دلی محبت کی علامت ہے شرعاً یہ ممنوع ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (مائدہ، آیت ۵)

اے ایمان والو تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ تمہارے دوست نہیں، اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ ان ہی میں سے ہو جائے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

قرآنی آیات کے علاوہ احادیث بھی بکثرت ایسی ملتی ہیں جن میں غیروں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے۔

نا لفوا المشرکین۔ — مشرکوں کی مخالفت اختیار کرو

ایک دوسری حدیث میں ہے

تتوا فقوا احدا من الکفار۔ — کفار میں سے کسی سے موافقت اختیار نہ کرو۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

۔ تتشبهوا بالاعاجم — عجمیوں کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو

یس منا من تشبه بقوم غیرنا۔ — جو ہمارے اغیار سے مشابہت کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فارس میں رہنے والے مسلمانوں کے نام ایک خط لکھا تھا جس میں ایک جملہ یہ تھا۔

یاکم وزی اهل الشرک. (بخاری شریف) — اے مسلمانو اہل شرک اور اہل کفر کے لباس اور ہیئت سے اپنے کو دور رکھنا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری میں ایک فرمان حضرت عمرؓ کا اس طرح نقل کیا ہے۔

اما بعد: اے مسلمانو ازار اور چادر کا استعمال رکھو اور جوتے پہنو اور اپنے جد امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لباس (یعنی لنگی اور چادر) کو لازم پکڑو اور اپنے آپ کو عیش پرستی اور عجمیوں کے لباس اور ان کی وضع قطع اور ہیئت سے دور رکھو مبادا تم وضع قطع میں عجمیوں کے مشابہ بن جاؤ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے نبیرہ معد بن عدنان کی وضع قطع اختیار کرو، اور موٹے اور کھردرے اور پرانے کپڑے پہنو جو اہل تواضع کا لباس ہے، (فتح الباری ص ۲۴۰)

کتاب الزواجر میں علامہ ابن حجر مکی ہیثمی نے مالک بن دینار سے ایک نبی کی وحی نقل فرمائی ہے۔

قال مالک بن دینار اوحی اللّٰہ إلی النبی من الانبیاء آن قل لقومک لایدخلوا مداخل اعدائی ولا یلبسوا ملابس أعدائی ولا یرکبوا مراکب اعدائی ولا یطعموا مطاعم أعدائی فیکونوا أعدائی کما ھم أعدائی۔

(کتاب الزواجر ص ۱۱/۱)

مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ انبیاء سابقین میں سے ایک نبی کی طرف اللہ کی جانب سے یہ وحی آئی کہ آپ اپنی قوم سے کہہ دیں کہ میرے دشمنوں کے گھسنے کی جگہ میں نہ گھسیں اور نہ میرے دشمنوں جیسا لباس پہنیں اور میرے دشمنوں جیسی سواریوں پر سوار ہوں اور نہ میرے دشمنوں جیسے کھانے کھائیں ورنہ میرے دشمنوں کی طرح یہ بھی میرے دشمن ہو جائیں گے۔

اسی مفہوم کے مثل قرآن کریم میں مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ زیادہ خلط ملط رکھنے کی ممانعت کے بعد یہ فرمایا ، انکم اذاً مثلہم ، یعنی ایسا کروگے تو تم بھی ان ہی جیسے ہو جاؤ گے نیز ارشاد فرمایا۔ من یتولہم منکم فانہ منہم، جو غیر مسلموں سے دلی دوستی کرے گا وہ ان ہی میں سے شمار ہوگا۔

خلیفہ دوم سیدنا حضرت عمر فاروق رضؓ کے عہد خلافت میں جب اسلامی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہوا اور قیصر وکسریٰ کی حکومت کا تختہ الٹ گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فکر دامن گیر ہوئی کہ عجمیوں کے اختلاط سے اسلامی امتیازات اور خصوصیات میں کوئی فرق نہ آجائے۔ اس لئے ایک طرف تو مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ غیر مسلموں کے تشبہ سے اجتناب کریں ، اور ان جیسی ہیئت ، لباس ، وضع قطع اختیار نہ کریں ، اور دوسری طرف غیر مسلموں کے لئے بھی ایک فرمان جاری فرمایا کہ کفار اپنی خصوصیات اور امتیازات

میں نمایاں رہیں ۔ اور مسلمانوں کی وضع قطع اختیار نہ کریں تاکہ اپنے اور پرائے میں التباس نہ ہوسکے ۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص۵۸)

بیان ملکیت متعلقہ ماہنامہ دارالعلوم بابت رجسٹریشن ایکٹ فارم ۴ ول ۸

نام	رسالہ دارالعلوم
وقفہ اشاعت	ماہانہ
پرنٹر پبلشر	مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
قومیت	ہندوستانی
پتہ	دارالعلوم دیوبند
ایڈیٹر	مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی
قومیت	ہندوستانی
پتہ	دارالعلوم دیوبند
مالک	دارالعلوم دیوبند

میں تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا تفصیلات میرے علم واطلاع کے مطابق درست ہیں ۔

(مولانا) مرغوب الرحمٰن صاحب)

۲۰ $\frac{۳}{۸۶}$ ء

مولانا مفتی محمد ظفیر الدین
مفتی دارالعلوم دیوبند

مسلم پرسنل لا اور اس کے چند گوشے

اسلام ایک مکمل نظامِ حیات عطا کرتا ہے، جس میں انسانی زندگی کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں ہے، اور کہنا چاہیئے اس طرح وہ باہمی اختلاف اور انتشار سے بچا لیتا ہے، امیر المومنین کا فریضہ اس نظام حیات کا جاری کرنا اور اس کی نشاندہی کرنا ہے، تاکہ امت گمراہی کے دلدل سے محفوظ رہ سکے، اور اس کی زندگی کے دن رات سکون و اطمینان کے ساتھ بسر ہوں،

عائلی زندگی اس نظام حیات کا ایک باب عائلی زندگی سے متعلق ہے کیونکہ اس دنیا میں انسانوں کی دو صنفیں مرد و عورت کی شکل میں موجود ہیں اور ان کے ہی باہمی ملاپ سے نسل انسانی پھیلتی اور زمین آباد رہتی ہے یہ بھی ظاہر ہے کہ دو صنفوں میں یہ بٹے ہوئے ہیں اور دونوں کی ساخت میں نمایاں فرق ہے، اور پھر اسی اعتبار سے دونوں کے مزاج بھی الگ الگ ہوا کرتے ہیں، لیکن بہرحال دونوں کو ساتھ رہنا ہے، گھر آباد رکھنا ہے، بچوں کی پرورش ہوتی ہے، اور اسی کے ساتھ دو خاندانوں میں محبت و یگانگت کا باقی رکھنا بھی ازبس ضروری ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ ایسا قانون زندگی سامنے ہو جس پر عمل پیرا ہو کر اس مقصد کو پالیا جائے، جس

کے لئے ان دونوں صنفوں کو یکجا ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

کتاب و سنت میں یہ پورا نظام حیات موجود ہے، مسلمان اسی نظام حیات پر ایمان رکھتے ہیں، اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں، اس قانون خداوندی سے وہ سرمو تجاوز نہیں کرسکتے ہیں، اور سچ پوچھئے تو اسی سے اس کا تشخص، اسکی انفرادیت اور امتیاز باقی ہے، کیونکہ جو قانون زندگی رب العالمین کی طرف سے دیا گیا ہے اس میں کسی رد و بدل کا اسکو اختیار نہیں دیا گیا ہے، خواہ وہ دنیا کے کسی خطہ میں رہتا ہو

دراصل یہ قانون زندگی تمام کائنات انسانی کے لئے ہے، اللہ تعالیٰ کے جتنے بندے ہیں، سب کو اس کا مکلف قرار دیا گیا ہے، اس پر عمل کرنے میں نہ شو دو برہمن کی تفریق ہے نہ اونچ نیچ کا سوال ہے اور نہ کالے گورے کی کوئی تمیز ہے، ایشیا کے لئے بھی ہے اور یورپ کے لئے بھی، افریقہ کے لئے بھی ہے اور امریکہ کے لئے بھی۔

یہ الگ بات ہے کہ اس نظام حیات کو کچھ لوگوں نے تسلیم کیا، اور کچھ لوگوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا، قبول کرنے والے طبقہ کو مسلمان و مومن کہا جاتا ہے اور جنہوں نے قبول سے گریز اختیار کیا، وہ غیر مسلم کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

سیکولر اسٹیٹ کی ذمہ داری

اس آزاد ہندوستان میں جہاں ہم بستے ہیں، مسلم اور غیر مسلم دونوں طبقے رہتے ہیں، اور آج سے نہیں بہت پہلے سے رہتے آئے ہیں، دونوں طبقے اپنے اپنے مذہب پر عمل پیرا ہیں اور ملک ترقی پذیر ہے، اس ملک کی آزادی کے بعد ملک کے رہنماؤں نے جو دستور تیار کیا، اس میں دونوں طبقوں کی آزادی کی رعایت کو ضروری طور پر تسلیم کیا گیا ہے، اور اسی وجہ سے اس کو سیکولر اسٹیٹ کہا گیا ہے، حکومت کا کوئی مذہب نہیں ہے، مگر اہل ملک سب کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق زندگی گذارنے کا پورا حق دیا گیا ہے، کوئی کسی کے مذہب میں رکاوٹ اور خلل ڈالنے کا حق نہیں رکھتا ہے، اور نہ خود حکومت کسی کے مذہب

یں مداخلت کر سکتی ہے، بلکہ حکومت کا فرض یہ قرار دیا گیا ہے، وہ دونوں طبقوں کو اپنے اپنے دائرہ میں رکھے، اور دونوں کی حتی الوسع مدد کرے تاکہ ملک میں امن وامان اور سکون واطمینان قائم رہے، اور فتنہ وفساد کو کوئی راستہ نہ مل سکے،

مسلم پرسنل لا کی حقیقت واہمیت

مسلمانوں کی اسی عائلی قانون زندگی کا نام انگریزی دور حکومت میں "مسلم پرسنل لا" تجویز کیا گیا، یعنی مسلمانوں کے وہ مسائل جن کا تعلق شادی بیاہ، نکاح طلاق، وراثت ووصیت اور فسخ وتفریق وغیرہ سے ہے۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشیں رکھی جائے کہ یہ قانون صرف مسلمانوں سے تعلق رکھتا ہے غیر مسلموں اور ملک کے دوسرے باشندوں سے قطعاً کسی قسم کا تعلق نہیں، ان مسائل سے حکومت کو بھی کسی نفع ونقصان کا واسطہ نہیں ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ انگریزی دور اقتدار میں بھی جو مسلمانوں کی دشمن حکومت تھی، اس مسئلہ کو چھیڑا نہیں گیا، بلکہ محمڈن لا کے نام سے جوں کا توں جاری رکھا، اور کسی منصف اور جج کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا تھا کہ وہ براہ راست کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے استدلال کرے کیونکہ جج صاحبان لاکھ قابل سہی، مگر اسلامی قانون سے ان کو کوئی لگاؤ نہیں، وہ نہیں جانتے کہ اسلامی عائلی قانون کیا ہے، انہوں نے وہ زبان اور اس زبان کے قواعد قطعاً نہیں پڑھے، جس زبان میں اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن پاک اور حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے، کیونکہ یہ دونوں ذخیرہ عربی زبان میں ہیں، جب کوئی کسی زبان کے قواعد نہ جانتا ہو، تو اس میں اسکو دخل انداز ہونے کا حق کیسے مل سکتا ہے، جیسے علاج کا حق اسی کو ہوگا جس کے پاس میڈیکل کی ڈگری ہے بیرسٹر اور وکیل نہیں کر سکتا ہے۔

نہ معلوم کس مصلحت سے سپریم کورٹ کے جج صاحبان نے اسلامی قانون میں دخل

اندازی کرنا ضروری سمجھا، جسکا ان کو اختیار نہیں تھا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے ملک میں بسنے والے مسلمانوں میں قدرتی طور پر غم وغصہ اور اشتعال پیدا ہوگیا، اور وہ احتجاج پر مجبور ہوئے۔

نکاح بھی قانون اسلامی کا جزء ہے یہ سمجھنا کہ عائلی قانون کا اسلام سے تعلق نہیں قطعاً غلط اور نادانی ہے، یہ سارے قوانین قرآن پاک اور حدیث نبوی سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں، شادی کے سلسلہ ارشاد ربانی ہے

و انکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقراء یغنیہم اللہ من فضلہ و اللہ واسع علیم۔ (نور)

اپنے بے بیاہوں کا اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو لائق ہوں ان سب کا نکاح کر دو، اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ اپنے فضل وکرم سے ان کو غنی کر دے گا اور اللہ کشائش والا ہے، سب کچھ جانتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شادی کے باب میں بھی انسان خود مختار نہیں ہے کہ چاہے تو کرے نہ چاہے تو نہ کرے بلکہ ایک مسلمان کا دینی فریضہ ہے کہ اس سنت کو ادا کرے اگر کوئی عذر شرعی نہیں ہے، فقر و فاقہ کے اندیشہ کی وجہ سے گریز کی راہ اختیار نہ کرے، اس لئے کہ رب العزت کا وعدہ ہے کہ وہ انتظام کرے گا، اور فقر و فاقہ سے تباہ و برباد نہ ہونے دے گا،

البتہ جن میں نکاح کی سرے سے صلاحیت نہیں ہے، اور وہ قطعاً مجبور ہیں، ان کی بات الگ ہے مگر ان کو بھی حکم دیا گیا ہے۔

و لیستعفف الذین لایجدون نکاحاً حتی یغنیہم

ایسے لوگ جن کو نکاح کی استعداد نہیں ہے، ضبط کریں، تاآنکہ اللہ ان کو اپنے

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (نور) فضل سے غنی کردے گا۔

اسلام کی نظر میں نکاح ایک عبادت ہے

اس لئے نکاح کو بھی عبادت کہا گیا ہے، اور اس کا بھی وہی ثواب ہے جو دوسری عبادتوں کا ہے، فقہا لکھتے ہیں۔

لیس لنا عبادة شرعت من عہد آدم علیہ السلام إلی الآن ثم تستمر فی الجنة إلا النکاح والایمان۔ (درمختار)

کوئی ایسی عبادت از آدم تا ایں دم نہیں ہے جو برابر قائم رہتی ہو حتی کہ جنت میں بھی اس کو دوام حاصل رہے سوائے نکاح اور ایمان کے، کہ یہ شروع سے اب تک ہیں اور جنت تک میں رہیں گے

اس کے علاوہ شادی سکون قلب اور محبت و مودت کا خزینہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں ایک عظیم نعمت ہے، جس کے ذریعہ انسان پاک دامنی کی دولت پاتا ہے اور پاکیزہ اخلاق کا مالک بنتا ہے۔

ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودّة ورحمة۔ (روم)

اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری جانوں سے تمہارا جوڑا پیدا کیا، تاکہ تم اس سے سکینت حاصل کرو اور اس کو اس نے تمہاری محبت و مودت کا ذریعہ بنایا ہے۔

عفت و عصمت اخلاقی جوہر ہے، اس کی حفاظت انسان کا فریضہ ہے، جو لوگ اس جوہر کو داغدار کرتے ہیں، وہ عند اللہ سزا کے مستحق ہیں، اور اس کی حفاظت کا طریقہ صرف جائز نکاح ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں کہا گیا ہے۔

والذین ہم لفروجہم حافظون الا علی ازواجہم او ما ملکت

اور جو اپنی شہوت کی جگہ کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں اور لونڈیوں سے لطف اندوز

ایمانہم فانہم غیر ملومین — ہوتے ہیں، ان پر کوئی الزام نہیں ہے،
ومن ابتغی وراء ذالک — اور جو کوئی اس کے سوا کی جستجو کرے، وہ حد
فأولٰئک ہم العادون (مومنون) — سے بڑھنے والے ہیں۔

اس پاکدامنی کی اسلام میں اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے، کہ اگر کوئی کسی کو غلط طور پر تہمت لگاتا ہے اور ثابت نہیں کرسکتا ہے، تو شریعت کا حکم ہے کہ اس پر حد قذف جاری کی جائے اور اس کو اسی کوڑے مارے جائیں۔

والذین یرمون المحصنٰت — جو پاک دامن عورتوں کو تہمت لگائیں اور پھر
ثم لم یاتوا باربعۃ شہداء — چار گواہ نہ لاسکیں تو انہیں اسی درے لگاؤ،
فاجلدوہم ثمانین جلدۃ — اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو یہی لوگ تو
ولا تقبلوا لہم شہادۃ ابدا واولٰئک — فاسق ہیں۔
ہم الفاسقون۔ (نور)

حد قذف یہ ہے کہ اس کو کوڑے لگائے جائیں اور اسی کے ساتھ اس کی دوسری سزا یہ ہے کہ اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے مردود الشہادۃ قرار دیا جائے، کبھی اس کی گواہی قبول نہ کی جائے اور اس کو فاسقوں میں شمار کیا جائے۔

خدانخواستہ اگر وہ زنا کا مرتکب ہوتا ہے، خواہ زنا بالجبر ہو، خواہ زنا بالرضا ہو، پھر اس کی سزا حد قذف سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے، اگر زانی شادی شدہ نہیں ہے تو اس کو سو کوڑے مارنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اگر وہ شادی شدہ ہے تو سنگسار کیا جائے یعنی سرعام اسکو پتھر مارتے مارتے ہلاک کر دیا جائے گا، اور اس باب میں اس پر قطعاً رحم نہیں کیا جائے گا۔ قرآن پاک میں ہے۔

الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل — زناکار عورت اور زناکار مرد، سو دونوں کا
واحد منہما مائۃ جلدۃ ولا — حکم یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے سو، سو

تاخذکم بهما رافة فی دین الله ان کنتم تومنون بالله و الیوم الآخر و لیشهد عذابهما طائفة من المؤمنین۔
(نور)

دے مارو، اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ کے معاملہ میں ذرا بھی رحم نہ آنے پائے، اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور چاہیئے کہ دونوں کی سزا کے وقت ایک جماعت حاضر رہے۔

سنگسار کرنے کی تفصیل حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے، کہ عہد نبوی میں ایسا ہوا ہے،

نکاح جس طرح جنسی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ اور وسیلہ ہے ایسا ہی یہ اسلام میں عبادت بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ رشتہ نکاح کے قائم ہوجانے کے بعد اس کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے، جو لوگ میاں بیوی کے درمیان پڑکر اس رشتہ کو پامال کرنا چاہتے ہیں، انکے متعلق پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

لیس منا من خبب المرأة علی زوجها۔

وہ ہم میں سے نہیں ہے جو کسی عورت کو اس کے شوہر کے خلاف بھڑکائے۔

اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، کہ کوئی عورت رشک و حسد کی وجہ سے اپنی دوسری بہن کے نکاح کو توڑنے کی سعی نہ کرے۔

لا تسئل المرأة طلاق اختها۔۔

عورت اپنی دوسری بہن کے طلاق کا سوال نہ کرے۔

اسی طرح خود بیوی کے متعلق ارشاد فرمایا۔

ایما امرأة سألت زوجها طلاقا فی غیر باس فحرام علیها رائحة الجنة
(مشکوٰة شریف)

جو بھی عورت اپنے شوہر سے طلاق بلا وجہ طلب کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

. . . .

طلاق کا حق صرف شوہر کو ہے

اسلام نہیں چاہتا ہے کہ نکاح کا جو رشتہ قائم ہو چکا ہے، وہ کسی منزل پر ٹوٹ جائے، بلکہ اس کی خواہش ہے کہ وہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا رہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ طلاق کی باگ ڈور عورتوں کے ہاتھوں میں دینے کے بجائے مردوں کے سپرد کی، کہ جو صبر وضبط اور تحمل مردوں میں پایا جاتا ہے عورتوں میں نہیں پایا جاتا، عورتیں بہت جلد بھڑک جاتی ہیں، اور صبر کا رشتہ ان کے ہاتھوں سے جاتا رہتا ہے، چنانچہ امریکہ نے اور یورپ نے ثابت کر دیا ہے کہ عورتوں کے ہاتھوں میں طلاق دیدینا عذاب جان سے کم نہیں۔

اسی طرح عقل اور دور بینی جو مردوں میں پائی جاتی ہے، عام طور سے عورتیں اس سے خالی ہوتی ہیں، پھر مردوں پر گھر کے انتظام وانصرام میں جو بوجھ ہوتا ہے وہ عورتوں پر نہیں ہوتا، اس لئے مرد کو طلاق کا مالک بنانا قدرت کو منظور ہوا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموھن۔	اے مومنو! تم جب مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر تم ان کو طلاق دو۔

دوسرے موقع سے فرمایا گیا

واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف۔ (البقرۃ)	اور جب تم مرد عورتوں کو طلاق دے چکو پھر وہ اپنی عدت گذرنے کے قریب پہونچ جائیں تو دیا تو تم انکو قاعدے کے موافق رجعت کر کے نکاح میں رہنے دو یا قاعدے کے موافق انکو رہائی دو۔

ان دونوں آیتوں سے واضح طور پر معلوم ہوا، طلاق مردوں کے ہاتھ میں ہے، عورتوں کے ہاتھ میں نہیں ہے، حدیث نبوی ہے۔

انما الطلاق لمن اخذ الساق۔ (ابن ماجہ)	طلاق اس شخص کے قبضہ میں ہے، جس نے عورت کی ذمہ داری سنبھالی ہے۔

ایک حدیث میں عورتوں کو طلاق طلب کرنے سے روکا گیا ہے، اس حدیث سے بھی ظاہر ہے کہ طلاق مردوں کا کام ہے، عورتوں کا نہیں۔

ایما امرأۃ سألت زوجہا طلاقا من غیر باس۔ (مشکوۃ) — جو عورت بلا وجہ اپنے شوہر سے طلاق چاہے۔

ان نصوص کی وجہ سے علماء کہتے ہیں کہ طلاق عورتوں کے ہاتھوں میں دینا درست نہیں ہے اور جو لوگ طلاق کا حق عورتوں کو سپرد کرنا چاہتے ہیں، وہ دین میں مداخلت کے مرتکب ہیں، اسی طرح وہ بھی مجرم ہیں، جو کہتے ہیں کہ طلاق کا معاملہ کسی بورڈ کے سپرد ہو، یا کسی جج کی صوابدید پر ہو۔

جیساکہ عرض کیا گیا کہ رشتہ نکاح ٹوٹنے کے لئے جوڑا نہیں جاتا ہے، خود اسلام طلاق دینے کو پسند نہیں کرتا ہے، جب تک نکاح نہ ہو، خوب اچھی طرح دیکھ بھال لیا جائے، کہ فلاں سے رشتہ قائم کرنا بہتر رہے گا یا نہیں، نباہ ہو سکے گا یا نہیں، بلکہ اسی رشتہ کو مضبوط بنانے کے لئے کفائت کا مسئلہ ہے، کہ اپنے ہم کفو میں شادی کی جائے خواہ نسب میں برابری کی بات ہو، یا مالداری میں، دینداری میں ہو، یا پیشہ اور رہن سہن میں، اس کی بھی اجازت دی گئی ہے کہ مرد اس عورت کو دیکھ سکتا ہے، جس سے اس کی شادی ہو رہی ہے، حدیث کی کتابوں میں ایک مستقل باب ہے " باب النظر الی المخطوبہ "، یعنی جس سے نکاح کا رشتہ طے ہو چکا ہے اس کے دیکھنے کا بیان۔

ایک شخص نے خدمت نبوی میں آکر عرض کیا کہ میں انصار کی ایک عورت سے شادی کا ارادہ کر رہا ہوں، یہ سن کر سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فانظر الیہا فان فی اعین الانصار شیئاً۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ) — تم اس کو ایک نظر دیکھ لو اس لئے کہ انصار کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے۔

بجوز النظر الی المرأة الذی یرید ان یتزوجها عندنا و عند الشافعی و احمد و اکثر العلماء وجوزہ مالک باذنها۔ (لمعات)

جو شخص شادی کرنے کا کسی عورت سے ارادہ کرتا ہے، اس کے لئے اس عورت کو دیکھنا جائز ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی اور امام شافعی کے نزدیک بھی اور امام احمد اور اکثر علماء بھی یہی کہتے ہیں اور امام مالک نے اجازت کے بعد دیکھنے کو جائز قرار دیا ہے

ایک دوسری حدیث یہ ہے:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احدکم المرأة فان استطاع ان ینظر الی مایدعوہ الی نکاحها فلیفعل رواہ ابوداؤد۔ (مشکوۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت کو پیغام نکاح دے تو اگر وہ ان چیزوں کو دیکھ سکتا ہے جو اس کے لئے باعث کشش ہو تو اس کو ایسا کر لینا چاہئے۔

اس حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی سے پہلے وہ ساری چیزیں دیکھ لینا بہتر ہے، جس کے متعلق بعد میں شکوہ و شکایت کی نوبت آسکتی ہے۔ لڑکی کا حسب نسب ہو یا اس کے اخلاق و اعمال ہوں، عقاید و معاملات ہوں، حتی کہ حسن وجمال ہو دولت و ثروت ہو، اور یا دینداری اور تقویٰ و طہارت ہو، اور خود جس سے شادی ہونے والی ہے، اس کو بھی دیکھ لے، تاکہ دل میں دغدغہ نہ رہ جائے اور بعد میں جدائی کی نوبت نہ آئے۔

بلکہ بعض حدیث میں تاکید ہے کہ جس عورت سے تمہارا رشتہ ہو رہا ہے تو ضرور دیکھ لیا کرو، حضرت مغیرہ بن شعبہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے ایک عورت کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا، جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم

ہوئی تو مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم نے اس کو دیکھ لیا یا نہیں، میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے اب تک دیکھا نہیں ہے، یہ سن کر فرمایا۔

فانظر الیہا فانہ احری ان یؤدم بینکما، رواہ احمد والترمذی (مشکوٰۃ)	تم اس کو دیکھ لو اس لئے کہ تم دونوں میں یہ دیکھنا مضبوطی اور دوام کے لئے زیادہ مناسب ہے۔

منشا یہ تھا کہ بعد میں ایسا نہ ہو کہ ندامت سے دوچار ہونا پڑے، پہلے دیکھ لینے سے اطمئنان قلب ہو جائے گا، اور موافقت دوامی کا ذریعہ بن جائے گا، اور جب شادی شوق سے کروگے تو باہم الفت و محبت زیادہ ہوگی کسی کو کسی سے شکایت باقی نہیں رہے گی اور یہ طے ہے کہ جب مرد عورت کو دیکھے گا تو عورت بھی اسوقت اپنے ہونے والے شوہر کو دیکھے گی، جس طرح مرد کی پسند ضروری ہے، اسی طرح عورت کی بھی پسند ضروری ہے

نکاح میں عورت کی رضا

بالغہ لڑکی کی اجازت نکاح کے وقت ضروری اسی وجہ سے قرار دی گئی ہے، کہ وہ اپنی پسند کے مطابق شوہر کا انتخاب کرسکے، عورت کوئی بے جان چیز نہیں ہے کہ جہاں کوئی چاہئے، اسے ڈالدے، اور جس شخص سے چاہے باندھ دے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لا تنکح الایم حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن (مشکوٰۃ شریف)	غیر شادہ شدہ عورت کی اس وقت تک شادی نہ کی جائے جب تک اس سے حکم حاصل نہ کرلیا جائے اور باکرہ کی اس وقت تک شادی نہ کی جائے جب تک اس کی اجازت حاصل نہ کرلی جائے

دوسرے موقع سے رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الایم احق بنفسہا من ولیہا	غیر شادی شدہ بالغہ اپنے نفس کی اپنے ولی سے

والبکر تستاذن فی نفسہا (ایضاً)	زیادہ مستحق ہے اور باکرہ کی شادی میں اس سے اجازت حاصل کی جائے گی۔

یہ درست ہے کہ لڑکی کا باپ یا اس کے دوسرے ہونے والے ولی ان کے مشیر اور سرپرست ہوتے ہیں اور اپنی بیٹی اور بہن کے حق میں شفیق اور مہربان بھی ہوتے ہیں، لیکن ان تمام شفقتوں کے باوجود بالغہ لڑکی کی پسند براہ راست اس سے معلوم کرلینا ضروری قرار دیا گیا ہے

عہد نبوی میں ایک باپ نے اپنی لڑکی کی شادی اس کی پسند کے خلاف ایک شخص سے کردی، وہ لڑکی خدمت نبوی میں حاضر ہوئی اور صورت حال بیان کی، یہ سن کر آپ نے اس نکاح کو رد فرما دیا۔

فرد نکاحہا وفی روایۃ فرد نکاح ابیہا۔ (مشکوۃ)	آپ نے اس کے نکاح کو رد فرمادیا اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے باپ کے کئے ہوئے نکاح کو رد فرما دیا۔

ایک دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

قال ان جاریۃ بکراتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ان ابا زوجہا وھی کارھۃ فخیرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ رواہ ابوداؤد۔ (ایضاً)	ایک باکرہ لڑکی رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا کہ اس کے باپ نے اس کی شادی کردی ہے مگر وہ اسکو ناپسند کرتی ہے، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے اسکو رد کرنے کا اختیار دیدیا۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عورت کو اسلام نے ہر شعبۂ زندگی میں خود مختار بنایا ہے کہ قوانین کے دائرہ میں رہ کر وہ اپنا حق استعمال کرسکتی ہے، مردوں کی دست نگر ہرگز نہیں ہے۔

عورتوں کی عظمت ظاہر کرنے کیلئے بوقت نکاح عورتوں کے لئے مہر کا قاعدہ مقرر

کیا گیا ہے، کہ مرد جب کسی عورت سے شادی کرے، تو مہر کے نام پر اسے ایک معقول رقم اپنی حیثیت کے مطابق دے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی بیویوں کو مہر کی رقم ادا کی، ام حبیبہ بیوہ ہوگئیں تو اس سے نجاشی شاہ حبش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کرادیا اور نجاشی نے اپنی طرف سے آپ کا مہر چار ہزار ادا کیا۔

عن ام حبيبة انها كانت تحت عبد الله بن جحش فمات بارض الحبشة فزوجها النجاشي النبي صلى الله عليه و سلم و امهرها عنه اربعة آلاف (ايضاً)	حضرت ام حبیبہؓ کا بیان ہے کہ وہ عبداللہ بن جحش کے تحت تھیں، ان کا حبشہ میں انتقال ہوگیا، تو نجاشی نے ان کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کردی اور اس نے آپ کی طرف سے انکو چار ہزار درہم مہر میں دیا۔

دوسری بیوی کا مہر عام طور پر پانچ سو درہم تھا، اور آپ کی صاحبزادیوں کا مہر بھی یہی تھا، اسی طرح اسلام نے اس کا بھی خیال رکھا ہے کہ عورت کی شادی اس کے ہم عمر لڑکے سے ہو، فقہاء نے ہدایت جاری کی ہے، کہ والد کو رشتہ کرتے وقت اس کا دھیان رکھنا چاہیئے،

و لا يزوج ابنته المشابة شيخا كبيرا ولا رجلا دميماً	باپ اپنی نوجوان لڑکی کی شادی بہت بوڑھے سے نہ کرے اور نہ کسی بدصورت مرد سے کرے

حاصل یہ ہے کہ لڑکی کو کسی منزل میں شریعت نے بے سہارا نہیں چھوڑا ہے) اور نہ کہیں اس کی حق تلفی برداشت کی گئی . . . ، بلکہ ہر منزل پر اس کا پورا لحاظ و پاس رہا ہے کہ وہ اپنے حقوق حاصل کرنے میں کسی سے پیچھے نہ رہے، قرآن پاک میں بتایا گیا ہے کہ عورتوں کا حق مردوں پر ایسا ہی ہے جیسا کہ مردوں کا عورتوں پر، ارشاد ربانی ہے۔

لهن مثل الذى عليهن بالمعروف۔	عورتوں کا حق مردوں پر ایسا ہی ہے، جیسا کہ، مردوں کا عورتوں پر،

طلاق میں جلدبازی اسلام میں پسندیدہ نہیں

یہ درست ہے کہ طلاق کا حق مردوں کو دیا گیا ہے مگر اسی کے ساتھ ان پر اس سلسلہ میں بڑی پابندی بھی عاید کی گئی ہے، پہلے تو طلاق کی عام اجازت نہیں ہے، انتہائی مجبوری میں اجازت دی گئی ہے، پھر اس کو جائز امور میں سب سے زیادہ مبغوض قرار دیا ہے، ارشاد نبوی ہے۔

ابغض الحلال عند اللہ الطلاق۔ (مشکوٰۃ)

حلال میں سب سے زیادہ مبغوض عند اللہ طلاق ہے۔

طلاق سے پہلے کے مراحل

پھر یہ کہ پہلے مرحلے میں اس کی اجازت قطعاً نہیں ہے، گو یہ معلوم ہے کہ کبھی مزاجوں کی ناموافقت کی وجہ سے، حالات تکلیف دہ صورت اختیار کر لیتے ہیں، مگر اسلام حتی الوسع اس رشتۂ ازدواج کو شکست و ریخت سے بچانے کی سعی کرتا ہے، کیونکہ بسا اوقات غلط فہمیوں کا بھی اس میں بڑا دخل ہوتا ہے، قرآن پاک میں شوہر کو خطاب کرکے کہا گیا ہے۔

و اللّٰتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان طعنکم فلاتبغوا علیھن سبیلا (النساء - ٦)

جن عورتوں سے تم کو نافرمانی کا اندیشہ ہو، تو پہلے ان کو سمجھاؤ اور ان کو خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو اور انہیں مارو، پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں، تو ان کے خلاف بہانے نہ ڈھونڈو۔

رفیقہ حیات سے اگر نافرمانی کا خطرہ ہو، تو دفعتاً اقدام نہ کیا جائے، بلکہ تدریجی طریقہ کار پر عمل کیا جائے، اسے راہ راست پر لانے کے لئے پرخلوص جد وجہد کی جائے، اور عورت کے نازک جذبات واحساسات کی اس میں پوری رعایت رکھی جائے، کہ کہیں سے اسکو ٹھیس نہ پہونچنے پائے، یعنی محبت و پیار سے اسے زندگی کے نشیب و فراز اور اسکی ذمہ داریاں

کا احساس بیدار کیا جائے، اس سلسلہ میں اگر بیوی کوئی بات قابل غور کہے تو مرد کو بھی بار بار غور کرنا چاہیئے، اور کوئی واقعی شکایت ہو تو اس کو دور کرنا چاہیئے۔

اس پہلے مرحلے میں کامیابی نہ ہو تو نفسیاتی اثر ڈالنے کے لئے، روا پنا بستر بیوی سے علحدہ کرے، مگر کمرہ وہی ہو، تاکہ بیوی محسوس کرے کہ میاں دلگیر ہے، اور میری ضد سے انہیں دلی اذیت پہونچی ہے۔ اگر اس میں ذرا بھی سمجھ ہوگی تو وہ لازماً متاثر ہوگی، اور سوچنے پر مجبور ہوگی، میاں کو منائے گی، اور معلوم کرے گی آپ کو کیا تکلیف پہونچی ہے، لیکن اگر کوئی بیوی بدعقل، مزاج کی سخت اور ہٹ دھرم ہوگی اور اس نے اس کا بھی اثر نہیں لیا تو حکم دیا گیا کہ شوہر تھوڑی تنبیہ کرے، ایسی تنبیہ جس سے نہ اس کے بدن پر نشان پڑے اور نہ اس کی جلد کھلے، ہلکی پھلکی تو بیخ، جس سے یہ محسوس کرے کہ میاں بھی اپنی جگہ سخت ہے۔

عام طور پر انسان بھی تین درجے کے ہوتے ہیں، کسی کے لئے بات کافی ہوجاتی، کوئی عملی خفگی سے اپنی غلطی محسوس کرتا ہے، اور کبھی اخیر درجہ پر انسان کو دیکھ کر چوکنا ہوتا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ ان تین درجوں میں سے جس درجہ پر بات بن جائے، بس وہیں معاملہ ختم کرو، زیادتی کا ہرگز ارادہ نہ کرو، اور نہ دل میں کینہ کپٹ رکھو،

شوہر خدانخواستہ اگر اپنی ان تدبیروں میں ناکام ہو جائے، دونوں میں غلط فہمیاں بہت بڑھ چکی ہوں، تو ان دونوں میاں بیوی کے مخلصوں اور بہی خواہوں کا فرض ہے کہ وہ بیچ میں آئیں اور ثالثی کے ذریعہ اس کو ختم کریں۔

چنانچہ آگے ارشاد ربانی ہے۔

وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ

اور اگر تم کو دونوں کے درمیان کشمکش کا ہو، تو تم ایک حکم مرد کے خاندان سے اور

و حکماً من اھلھا ،ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما ان اللہ کان علیماً خبیراً۔ (النساء)	حکم عورت کے خاندان سے مقرر کرو، اگر ان دونوں کی نیت اصلاح حال کی ہوگی، تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا بیشک اللہ بڑا علم رکھنے والا ہے، ہر طرح باخبر ہے۔

دونوں کے ہمدردوں کا فریضہ ہے دونوں طرف سے ایک ایک مخلص آدمی منتخب کرکے معاملہ ان کے سپرد کر دے کہ یہ دونوں مل کر میاں بیوی کی کشمکش کو ختم کر دینے کی جدوجہد کریں اور کہا گیا ہے کہ اگر یہ دونوں دل سے چاہیں گے تو معاملہ حل ہو جائے گا، اور ان شاء اللہ دونوں میں موافقت ہو جائے گی،

لیکن ان مراحل کے بعد بھی اگر کبھی معاملہ سدھر نہ سکے اور دونوں جدائی پر مصر ہوں تو اس مجبوری میں بذریعہ طلاق یا خلع تفریق کرائی جائے۔

یک لخت تین طلاق مناسب نہیں

مگر اب بھی معاملہ تدریجی ہو، ایسا نہ ہو کہ جاہلوں، نادانوں اور گنواروں کی طرح ایک ساتھ بیوی کو تین طلاق دیدے، نہیں، ایسا ہرگز نہیں پسندیدہ ہے، بلکہ جب علیحدگی ناگزیر ہو جائے، تو شوہر کو چاہیئے کہ اس زمانہ میں جب بیوی پاکی کی حالت میں ہو، بس ایک طلاق دے کر چھوڑ دے، عدت گذرنے کے بعد وہ بائنہ ہو جائے گی اور اس کو مکمل آزادی مل جائے گی، اور اس کو دوسرے مرد سے شادی کرنے کا حق مل جائے گا۔

فالاحسن ان یطلق الرجل امرأته تطلیقة واحدة فی طھر لم یجامعھا ویترکھا حتی تنقضی عدتھا، لان	سب سے عمدہ یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو فقط ایک طلاق دیدے اور چھوڑ دے اور طلاق اس طہر میں دے جس میں اس نے اس کے ساتھ جماع نہیں کیا ہے، یہاں تک کہ اس

الصحابة كانوا يستحبون ان لا يزيدوا فى الطلاق على واحدة حتى تنقضى العدة (هدایه)

کی عدت گذر جائے، اس لئے کہ صحابہ کرام ایک طلاق سے زیادہ کو پسند نہیں کرتے تھے، تا آنکہ اس کی عدت پوری ہو جائے۔

عورت کو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ عدت کے دن کم ہوں گے اور مرد کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو ایام عدت میں رجعت کا حق ہوگا، خواہ عورت چاہے یا نہ چاہے مرد بلا نکاح جدید عورت کو بذریعہ رجوع رکھ سکتا ہے، تین حیض کے مکمل ہونے میں کم از کم ساٹھ دن لگتے ہیں، ان دو مہینوں میں مرد سوچ سمجھ کر اپنی غلطی محسوس کر سکتا ہے، اور اگر زمانہ عدت میں رجعت کسی وجہ سے نہ کر سکا، تو بھی ابھی راہ کھلی ہوگی کہ اگر اس کی مطلقہ بیوی راضی ہو جائے تو بلا حلالہ دوبارہ نکاح کر سکتا ہے، اور دونوں خوش گوار زندگی کے مالک بن سکتے ہیں۔

شریعت نے یہی وجہ ہے تین طلاق بیک وقت دینے کو سخت معیوب سمجھا ہے اور ناپسند کیا ہے کہ اس سے ملنے کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، اور بسا اوقات زندگی بھر افسوس کرنا پڑتا ہے۔

قرآن پاک میں جو طریقہ ذکر کیا گیا ہے اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ تین طلاق نہیں دینا چاہئے، ارشاد ہے۔

الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان۔

طلاق دو مرتبہ ہے پھر دستور کے مطابق روک رکھنا ہے، یا خوبی کے ساتھ رخصت کر دینا ہے

لیکن دو طلاق کے بعد اگر کسی بیوقوف شوہر نے تیسری طلاق بھی دیدی، تو بیوی حرام ہو جائے گی اور جب تک حلالہ کی صورت پیدا نہ ہو جائے اس بیوی سے ملنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہ جائے گی۔ ارشاد ہے۔

فان طلقها فلا تحل له

پھر اگر اس نے اس کو دو کے بعد تیسری طلاق

من بعد حتیٰ تنکح زوجا غیرہ (البقرۃ) — دیدی تو وہ شوہر کیلئے اسوقت تک حلال نہ ہوگی جب تک اس کے غیر سے وہ نکاح نہ کرلے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی وجہ سے تین طلاق دینے والے سے سخت اذیت ہوا کرتی تھی، اور ایسی طلاق سے منع فرماتے تھے، تین طلاق کی بات سن کر آپ نے فرمایا۔

ایلعب کتاب اللہ وانا بین اظهرکم۔ — کیا تم کتاب اللہ سے کھیل کرتے ہو حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔

حلالہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جب پہلا شوہر تین طلاق دے چکے، تو عورت تین حیض عدت کے گذارے، پھر جاکر وہ عورت مرد سے شادی کرسکتی ہے، اگر دوسرے شوہر نے بھی بعد وطی اس کو طلاق دے دی یا وہ مرگیا، تو یہ عورت پھر عدت گذارے گی، اب اس کے بعد اگر پہلا شوہر چاہے تو شادی کرسکے گا، یعنی تین طلاق کے بعد دوسرے مرد سے شادی، اور اس کے ساتھ مقاربت دونوں ضروری ہے۔ حدیث ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت طلق رجل امرأتہ ثلثاً فتزوجها رجل ثم طلقها قبل ان یدخل بها فاراد زوجها الاول ان یتزوجها فسئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لا حتی یذوق الآخر من عسیلتها ما ذاق الاول (مسلم ص ۴۶۳ ج ۱)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی، چنانچہ اس سے ایک دوسرے شخص نے شادی کی اور دخول نہیں کیا، یعنی وطی نہیں کی، اس کے بعد شوہر اول نے اس سے شادی کرنا چاہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ وہ شادی کرسکتا ہے، آپ نے فرمایا نہیں، یہاں تک کہ دوسرا شوہر اس کا مزہ نہ چکھ لے، جیسا کہ پہلا چکھ چکا ہے۔

دار قطنی میں ہے۔

عن عائشة قالت قال رسول الله صلی الله علیه و سلم اذا طلق الرجل امرأته ثلثا لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره و یذوق کل واحد منهما عسیلة صاحبه (دارقطنی ۴۳۱)

کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے تو وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوتی ہے جب تک وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے، اور دونوں ایک دوسرے کا مزہ نہ چکھ لیں ۔

صحیح طریقۂ طلاق کا وہی ہے، جو اوپر ہدایہ کے حوالے سے نقل کیا گیا، تین طلاق دے کر میل ملاپ کے راستہ پر آہنی دیوار کھینچ کو اسلام پسند نہیں کرتا ہے، بلکہ اولاً طلاق دے ہی نہیں اور اگر دینا ناگزیر ہو جائے تو صرف ایک دے، تاکہ ملنے کا راستہ کھلا رہے، اور دونوں مل سکیں، اور دوسرے مرد یا عورت سے شادی کرنا چاہیں تو یہ آزادی بھی اسکو حاصل رہے ۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے گو کم ہوتا ہے کہ شوہر بیوی کے لئے عذاب بن جاتا ہے، اور بیوی شوہر کو قطعاً پسند نہیں کرتی، وہ چاہتی ہے کہ کسی طرح بھی اس سے نجات مل جائے تو یہ درست ہے کہ خود عورت کو طلاق دینے کا حق حاصل نہیں ہے، لیکن عورت بذریعہ قاضی تفریق حاصل کر سکتی ہے، اور یہ بڑی آسانی سے اس کو حاصل ہو سکتی ہے ۔

جن لوگوں کی تاریخ پر نظر ہے، وہ جانتے ہیں کہ گزشتہ دور میں ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے کہ جب عورت پر مرد کے مظالم بڑھ گئے، تو اس نے قاضی کا دروازہ کھٹکھٹایا اور قاضی نے شرعی کارروائی کر کے اس کو واجب حق دلایا، اسلام سے پہلے البتہ عورتوں کی سماج میں کوئی عزت نہیں تھی، وہ سراپا مظلوم تھی، اسلام نے آکر اسکو بیخ و بن سے ختم کیا ۔

عورت کو بھی فسخ نکاح کا حق ہے

اسلام نے اگر مرد کے ہاتھ میں طلاق کی نکیل دی ہے، تو عورتوں کو بھی بعض اس

کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑا ہے، بلکہ قاضی اسلام کو اس کا وکیل اور ذمہ دار قرار دیا ہے جب شوہر کی طرف سے اس کی حق تلفی ہو، عورت کو اس کے پنجہ سے آزاد کرائے، امارت شرعیہ بہار واڑیسہ نے کتاب الفسخ والتفریق از حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی شائع کی ہے اس میں تفصیل دی ہے کہ چودہ صورتیں ہیں، جن میں سے کسی ایک صورت پیش آنے پر بیوی اپنے شوہر سے جدا ہونے کی درخواست دیکر جدائی حاصل کر سکتی ہے۔

(۱) شوہر مفقود الخبر ہو جائے (۲) شوہر مفقود الخبر تو نہ ہو مگر مسلسل غائب ہو (۳) شوہر اپنی بیوی کو نفقہ نہ دیتا ہو (۴) یا شوہر اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے بیوی کو نفقہ دینے سے عاجز ومجبور ہو (۵) شوہر بیوی کا حق زوجیت نہ ادا کرتا ہو (۶) شوہر مجبوب (مقطوع الذکر) ہو (۷) شوہر عنین (نامرد) ہو، بیوی کے ساتھ وطی کرنے پر قادر نہ ہو (۸) شوہر پاگل اور دیوانہ ہو (۹) شوہر جذام کی بیماری میں مبتلا ہو یا برص یا ایسی بیماری میں مبتلا ہو کہ بغیر ضرر عورت کا ساتھ رہنا ناممکن ہو (۱۰) عورت کا نکاح غیر کفو میں ہو گیا ہو (۱۱) باپ دادا کے علاوہ دوسرے ولی نے نابالغی میں نکاح کر دیا ہو اور بالغ ہونے کے بعد عورت اس کو رد کر دے (۱۲) عورت حرمت مصاہرت میں مبتلا ہو جائے، (۱۳) شوہر تکلیف دہ ہو اور کو مار پیٹ کرتا ہو (۱۴) میاں بیوی میں میل ملاپ کی کوئی صورت نہ بنتی ہو۔

یعنی ان شکایتوں میں سے جب کوئی شکایت بیوی کو پیش آئے گی، قاضی کے ذریعہ شوہر سے چھٹکارا حاصل کر سکتی ہے، چنانچہ امارت شرعیہ کا ریکارڈ دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہزاروں عورتوں نے قاضی شریعت کے ذریعہ ایسے شوہروں سے نجات حاصل کی ہے۔

مگر یہ یہاں ذہن نشیں رہے کہ فسخ وتفریق جو قاضی کرے گا، اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو اور مسائل دینیہ سے پورے طور پر واقف ہو، عادل اور بالغ ہو، رشوت قبول نہ کرتا ہو، پاک دامن اور پارسا ہو۔

اسی کے ساتھ اسلام نے کچھ صورتیں ایسی بھی رکھی ہیں کہ بوقت شادی عورت نکاح کے ساتھ طلاق کا مسئلہ اپنے ہاتھ میں لے سکتی ہے مثلاً عورت اس شرط کے ساتھ نکاح کرے کہ بعد نکاح جب وہ چاہے گی، اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے، اور شوہر، بیوی کی اس شرط کو قبول کرلے، فقہا لکھتے ہیں۔

نکحہا علی ان امرھا بیدھا صح (درمختار) مقید بما اذا ابتدأت المرأۃ فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید الخ فقال الزوج قبلت (رد المحتار)	مرد نے عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ عورت کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا تو یہ صحیح ہے، یہ مقید ہے کہ عورت ابتدا کرے اور کہے کہ میں نے اپنی شادی آپ کے ساتھ اس شرط پر کی کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا جب میں چاہونگی اپنے کو طلاق دے لونگی، اس کے جواب میں شوہر کہے کہ میں نے اس شرط کو قبول کیا۔

ان مسائل کی تفصیل وتشریح الحیلۃ الناجزۃ اور کتاب الفسخ والتفریق میں دیکھی جاسکتی ہے

اسلام نے وراثت میں عورت کو شریک بنایا ہے

اسلام نے عورتوں کو وراثت میں بھی وارث قرار دیا ہے

جس طرح لڑکے وارث شرعی ہوتے ہیں لڑکیاں بھی شرعی وارث ہوتی ہیں، بلکہ لڑکے اور لڑکیوں کی وراثت میں قرآن پاک نے لڑکیوں کو بنیاد ٹھہرایا ہے، ارشاد ربانی ہے۔

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق ثنتین فلھن ثلثا ما ترک وان	حکم کرتا ہے اللہ تم کو تمہاری اولاد کے بارے میں کہ لڑکوں کا حصہ لڑکیوں سے دوگنا ہے اور اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو سب کے لئے ترکہ کا دو ثلث ہے اور اگر ایک

کانت واحدۃ فلہا النصف (النساء۴)　لڑکی ہے تو اس کے لئے نصف ہے۔

ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے، لڑکی کا حصہ کم اس لئے متعین کیا گیا ہے خود اس کا نفقہ کبھی باپ پر ہوتا ہے، کبھی شوہر پر ہوتا ہے، اور کبھی بھائیوں پر ہوتا ہے اور اسی طرح اس کی اولاد کا نفقہ اولاد کے باپ پر ہوتا ہے، ماں پر نہیں ہوتا... گویا عام طور پر عورت اس بوجھ سے محفوظ ہوتی ہے۔

اس کے خلاف لڑکا بہت سارے نفقہ کا مکلف ہوتا ہے، بیوی کا نفقہ اس پر واجب ہے بچوں کا نفقہ اس پر لازم ہے، والدین کا نفقہ اس پر عاید ہوتا ہے اس لئے اس کو دو لڑکی کے برابر یعنی زیادہ حصہ دیا گیا ہے۔

لڑکی جس طرح باپ اور ماں سے میراث پاتی ہے اسی طرح وہ شوہر سے بھی میراث کی مستحق قرار دی گئی ہے۔

ولہن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلہن الثمن مما ترکتم (النساء)　بیوی کو تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی ہے اگر تم صاحب اولاد نہ ہو اور اگر تمہیں اولاد ہے تو بیویوں کا آٹھواں حصہ ہے۔

اسی طرح بہن ہونے کی حیثیت سے بھی عورت بھائی کی وارث قرار دی گئی ہے، ارشاد ربانی ہے۔

ان امرأ ھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلہا نصف ما ترک (النساء)　اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے ایک بہن ہو تو اسے اس ترکہ کا نصف ملے گا۔

وان کانتا اثنتین فلہما الثلثان مما ترک (النساء)　اور اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کو دو تہائی ملے گا۔

اسی طرح عورت کو ماں ہونے کی حیثیت سے بیٹا بیٹی سے ترکہ ملتا ہے، اور وہ ان کی

شرعی وارث ہوتی ہے۔

ولابویہ لکل واحد منہما السدس مما ترك ان كان له ولد فان لم يكن له ولد وورثه ابواه فلامه الثلث فان كان له اخوة فلامه السدس۔ (النساء)	اور والدین میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے، لڑکے کے ترکہ میں سے، بشرطیکہ لڑکا صاحب اولاد ہے اور اگر صاحب اولاد نہیں اور صرف والدین ہوں تو ماں کے لئے ایک ثلث ہے اور اگر کئی بھائی ہیں تو ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔

دیکھ رہے ہیں کہ عورتوں کو کہیں بھی شریعت میں نظرانداز نہیں کیا گیا ہے عورت اپنے باپ ماں سے بھی حصہ پاتی ہے۔ بھائی سے بھی پاتی ہے اور شوہر سے بھی۔

عورتوں کے یہ حقوق اس دور میں اسلام نے آپ کو عطا کئے، جب کوئی سمجھ بھی نہیں پاتا تھا کہ عورتوں کے بھی حقوق ہو سکتے ہیں پھر یہ سارے حقوق ان کے بحیثیت ذوالفروض ہونے کے بیان کئے گئے ہیں، اس کے بعد عصبات کا درجہ آتا ہے، ان میں بھی لڑکی بہت سے مواقع میں عصبہ بنتی ہے اور حصہ پاتی ہے۔

عرب میں یتیم بچوں اور عورتوں کو میت کے ترکہ میں سے حصہ نہیں ملتا تھا، اور نہ یہ حصہ کے مستحق سمجھے جاتے تھے، اسلام نے ان کے حقوق کی نشاندہی کی، اور انکو بھی ہر جگہ وارث قرار دیا

وصیت شریعت اسلامی میں

مسلم پرسنل لا کا ایک مسئلہ وصیت بھی ہے، یعنی مرنے والا اپنے تہائی مال میں غیر وارث کے لئے وصیت کرنے کا حق رکھتا ہے، اسی طرح رفاہِ عام کے کاموں کے لئے بھی وصیت کر سکتا ہے، اس مسئلہ کا تعلق بھی شریعت سے ایسا ہی ہے جیسا کہ نکاح وطلاق اور دوسرے مسائل کا، اس کے متعلق بھی کتاب وسنت میں واضح قانون ہیں، بلکہ مرنے والے کے ترکہ

کی تقسیم سے پہلے وصیت کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

قرآن نے جہاں میراث کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے، وہاں کہا ہے کہ پہلے وصیت اور دین ادا کر دیا جائے پھر آگے تقسیم ہو۔

من بعد وصیۃ یوصی بہا او دین۔ (النساء ۲)　　　وصیت نکال لینے کے بعد جو میت وصیت کر جائے اور دین کے بعد (ترکہ تقسیم ہو)۔

وصیت کا بیان مردوں کے ترکہ کے بعد بھی آیا ہے، اور عورتوں کے ترکہ کے بیان میں بھی، البتہ وارثین میں سے کسی کے لئے وصیت جائز نہیں ہے کہ وہ تو میراث پائیں گے ہی حجۃ الوداع کے خطبہ میں آپ نے فرمایا۔

ان اللّٰہ اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لاتوارث. رواہ ابوداؤد. (مشکوۃ)　　　اللہ نے ہر حق والے کو اس کا حق دیا ہے، لہٰذا وارث کے لئے وصیت نہیں ہے۔

البتہ وارثین چاہیں تو کسی ایک وارث کے لئے وصیت جائز ہے، حدیث نبوی ہے۔

لا وصیۃ إلی الوارث الا ان یشاء الورثۃ (ایضًا)　　　وصیت وارث کے لئے نہیں ہے مگر یہ کہ دوسرے ورثہ اس کو چاہیں۔

اس صورت میں دوسرے ورثاء کو شکایت کا موقع باقی نہیں رہتا ہے، اور نہ اس کو اذیت ہوگی، حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حتی الوسع ورثہ کو تکلیف نہ پہونچائی جائے اور ایسی بات نہ ہونے پائے جس سے وہ رنجیدہ خاطر ہوں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من قطع میراث وارثہ قطع اللّٰہ میراثہ من الجنۃ یوم القیامۃ رواہ ابن ماجہ (مشکوۃ)　　　جو شخص اپنے وارث کی میراث منقطع کرتا ہے اللہ تعالےٰ اس کی میراث جنت سے قیامت کے دن قطع فرمائے گا۔

حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی کا بیان ہے کہ وہ فتح مکہ کے سال بیمار ہو گئے، بظاہر زندگی کی کوئی امید باقی نہیں رہی، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لے آئے، میں نے عرض کیا، میری صرف ایک بچی ہے اور دولت کافی ہے، لہذا اپنے کل مال کو بذریعہ وصیت اللہ کی راہ میں دینا چاہتا ہوں، آپ نے سن کر فرمایا نہیں ایسا نہ کرو، میں نے عرض کیا کل کی نہ سہی دو ثلث کی کر دوں، فرمایا یہ بھی نہیں میں نے درخواست کی کہ آدھا مال کی وصیت کر جاؤں، فرمایا یہ بھی نہیں، میں نے اخیر میں کہا کہ تہائی مال کے متعلق کیا ارشاد ہے، فرمایا اچھا تہائی کی وصیت کر سکتے ہو، گو یہ بھی بہت ہے اس کے بعد فرمایا کہ اپنے ورثار کو دولت مند چھوڑنا اچھا ہے کہ ان کو افلاس کی حالت میں چھوڑو۔

والثلث کثیر انک ان تذر ورثتک	تہائی بھی زیادہ ہے تم اپنے ورثہ کو مالدار چھوڑو
اغنیاء خیر من ان تذرھم	یہ ان کو غریب بنا کر چھوڑنے سے بہتر ہے ۔
عالۃ یتکففون الناس . (مشکوۃ)	

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے حتی الوسع وصیت اپنے قرابت داروں کے لئے ہونی چاہئے، ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا نہیں کرتا ہے، قرابت داروں کو چھوڑ کر غیروں کے لئے وصیت کرتا ہے تو یہ فعل اس کا شرعاً پسندیدہ نہیں کہا جائے گا۔

من اوصی بغیر قرابۃ و ترک	جس نے غیر قرابت دار کے لئے وصیت کی
قرابۃ محتاجین فبئسما صنع	اور اپنے قرابت داروں کو محتاج چھوڑ دیا تو
وفعلہ مع ذلک جائز ماض	اس نے برا کیا لیکن اس کے باوجود اس کا یہ
لکل من اوصی من غنی	فعل جائز ہے، جس کے لئے بھی وصیت نافذ
وفقیر وقریب وبعید ومسلم	ہوگی مالدار ہو، محتاج ہو، قرابت دار ہو،
و کافر۔ (احکام القرآن)	دور کا ہو اور پھر مسلمان ہو یا کافر ہو۔

پوتا کی میراث کا مسئلہ اس مسئلہ وصیت سے حل ہو جاتا ہے، یعنی دادا جب جانتا ہے کہ دوسرے بیٹے کی موجودگی میں پوتا محجوب ہوگا، تو اس کا اخلاقی فرض ہے کہ اپنی زندگی میں پوتے کے نام جو دینا ہے کر جائے، ہبہ کرکے دخیل و قابض بنادے، قانونی ملکی رجسٹری کا سہارا لے اور آخری صورت یہ ہے کہ تہائی مال و جائیداد بذریعہ وصیت کر دے اور یہ بہت آسان ہے، بیٹوں کو بھی اس پر اعتراض نہ ہوگا۔

نفقہ مطلقہ نفقہ مطلقہ کے سلسلہ میں بہت لکھا جا چکا ہے کہ تا عدت اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، عدت ختم ہو جانے کے بعد چونکہ وہ بیوی قطعاً باقی نہیں رہتی ہے، بلکہ اجنبی عورت کے مثل ہو جاتی ہے، اور مثل کیا قطعاً اجنبیہ بن جاتی ہے، اسلئے سابق شوہر سے رشتہ بالکل منقطع ہو جاتا ہے، جس طرح ایک غیر عورت کا نفقہ غیر مرد پر واجب نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، اسی طرح اس عورت کا نفقہ بھی سابق شوہر پر واجب قرار دینا قطعاً ناجائز و ناانصافی ہے اور یہ عقل و خرد کے بھی خلاف ہے اور کتاب وسنت کے بھی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صراحت موجود ہے۔

سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول للمطلقۃ الثلث النفقۃ والسکنی مادامت فی العدۃ . (ھدایہ)	میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ طلقہ ثلثہ کے لئے نفقہ اور سکنی اس وقت تک ہے جب تک وہ عدت میں ہے۔

قرآن پاک میں جہاں عدت کا بیان ہے، وہاں حاملہ کی عدت بتاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہے اور بسا اوقات یہ عدت لانبی بھی ہوتی ہے، قرآن نے اس سلسلہ میں صراحت کی ہے کہ تا عدت ہی نفقہ ہے، ارشاد خداوندی ہے۔

وان کن اولات حمل فانفقوا علیہن حتٰی یضعن حملہن (الطلاق-۱)	اور اگر وہ حمل والیاں ہوں، تو انہیں خرچ دیتے رہو ان کے حمل کے پیدا ہونے تک۔

فقال اصحابنا والثوری والحسن بن صالح لکل مطلقة السکنٰی والنفقة مادامت فی العدة ۔ (احکام القرآن)	ہمارے اصحاب حنفیہ امام ثوری، حسن بن صالح سب کہتے ہیں کہ ہر مطلقہ کے لئے مکان اور نفقہ اس وقت تک ہے جب تک وہ عدت میں ہوتی ہے۔

مولانا جمیل الرحمٰن پرتاب گڈھی
دارالعلوم دیوبند

دفعہ ۱۲۵ (سی، آر، پی، سی)
اور
اسلام کا قانونِ نفقہ

حجۃ الوداع کے موقع پر ہبیطِ وحی صلے اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی اس آخری آیت کا نزول ہوا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ (المائدۃ)

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور دین کی حیثیت سے اسلام کو تمہارے لئے میں نے پسند کر لیا۔

اسی طرح صلح حدیبیہ کے بعد آپ کو یہ بشارت سنائی گئی۔

انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تأخر ویتم نعمتہ علیک و یہدیک صراطا مستقیما۔ (الفتح)

بیشک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی، تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے، اور آپ پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کر دے، اور آپ کو سیدھے راستہ پر لے چلے

اتمام نعمت سے مراد در حقیقت علوم نبوت کا اتمام ہے، چاہے یہ وحی متلو یعنی قرآن سے تعلق رکھتے ہوں یا وحی غیر متلو سے۔ کیونکہ یہی علوم تمام احکام شرعیہ کا سرچشمہ اور اصل الاصول ہیں، اسی علم پر نعمتوں کا اختتام ہے، جب آپ پر علم کا اتمام ہو گیا تو آپ خاتم النبیین بھی ہوئے اور اب آپ کے بعد مزید کسی نبی اور شریعت کے نازل ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی، دین کامل و مکمل طور پر دنیا کے سامنے آچکا، اس میں قیامت تک کے پیش آنے والے مسائل کا حل کلیات و جزئیات کی شکل میں بیان کر دیا گیا ہے۔

فالقرآن علی اختصاره جامع ولا یکون جامعا الا والمجموع فیه امور کلیات؛ لان الشریعة بتمام نزوله، لقوله تعالیٰ، اکملت لکم دینکم" (الموافقات ج۳ ص۳۶۴)	قرآن اپنے اختصار کے باوجود جامع ہے، اور جامع اسی صورت میں ہے کہ اس میں امور کلیہ کا بیان ہے، کیونکہ شریعت قرآن کے نزول کے ساتھ مکمل ہو گئی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "الیوم اکملت لکم دینکم"۔

آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آیات قرآنی کی ایسی تشریح فرمائی ہے جو ہر کشمکش اور ہر تبدیلی کا بآسانی مقابلہ کر سکتی ہے اور اس کی بقا اور تحفظ کے لئے ایک طرف قرآن نے یہ اعلان کیا۔

وانّا له لحافظون۔	اور بیشک ہم ہی اسکی حفاظت کرنیوالے ہیں،

اور دوسری طرف لسان نبوت نے فرمایا۔

یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفقون عنه تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل	(ہر سلف کے بعد) خلف میں ایسے عادل لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو اس دین علم کا بار اٹھائیں گے، جس کے ذریعہ وہ غلو پسندوں کی تحریفات کو نیست و نابود کرتے رہیں گے باطل پسندوں کی دروغ بافیوں کو کھولتے رہیں

الجاھلین۔ گئے اور جاہلوں کی رکیک تاویلوں کے پردے چاک کرتے رہیں گے۔
(مشکواۃ شریف)

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ مبارک کلمات ہر اس شخص کے لئے مایوسی کا پیغام ہے جو اسلام کو مشکوک، ناقابل اعتماد اور اس کے اندر حقیقی معنی میں تغیر و تبدیلی کی راہ سوچ رہے ہیں، ہیں، دنیا کی تاریخ میں یہ امت اتنی مردم خیز واقع ہوئی ہے کہ اس کی نظیر دوسری قوموں میں نہیں ملتی، جب بھی اسلام کے قلب وجگر پر تحریفات، تاویلات، بدعات، مادیت، نفس پروری، تعیشات، الحاد ولادینیت، مغربیت اور عقلیت پرستی کا حملہ ہوا تو اس کے مقابلے کے لئے ایسے افراد پیدا ہوئے جنہوں نے ان حملوں کو شکست دی اور حقیقت اسلام کو اجاگر کیا، اس کی تصدیق دعوت وعزیمت کی اس مسلسل تاریخ سے ملے گی جسے مورخین نے کتابوں کے حوالے کر دیا ہے۔ اسلام کا قانون یہ خدا کا نازل کردہ قانون فطرت ہے جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو حاوی ہے، یہ دوسرے مذاہب کے قوانین کی طرح اتنا نازک نہیں ہے کہ جب جی چاہے اور جیسے جی چاہے.......... اس کو اپنی خواہش کے مطابق ڈھال لیا جائے، اور اس میں قطع وبرید کر دی جائے، ان اللہ قد شرع لکم الدین۔

ہندوستان کی دوسری قومیں جس طرح اپنے مذاہب کا تصور رکھتی ہیں کہ جب چاہا اور جیسے چاہا اسے اپنے موافق ڈھالا، اور بدلتے ہوئے حالات میں اسے اپنی خواہشات کے تدوقات پر فٹ کر لیا، بالکل یہی تصور مذہب اسلام کے بارے میں بھی رکھتے ہیں کہ اس میں بھی جب چاہے ترمیم وتنسیخ کر دی جائے، ہندوستان کی عدالت عالیہ نے شاہ بانو کیس میں یہی معاملہ کیا ہے، جو شریعت اسلامی میں مداخلت کر کے جبراً نفقہ دلانا چاہتی ہے۔

ذیل کی سطور میں ہم اس جبریہ نفقہ کی وجہ اور حکومت کی دفعہ ۱۲۵ اور قانون شریعت میں نفقہ کے منصفانہ نظام سے بحث کرتے ہیں تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ اسلامی شریعت کے

قانون نفقہ کے مقابلے میں حکومت کا یہ ناقص قانونِ نفقہ ایک قدم بھی ساتھ نہیں دے سکتا،

ہندوازم میں عورت کی سماجی حیثیت

آج جو یہ سوال حکومت کے ایوانوں سے لیکر عوامی زندگی کے ہر موڑ پر دہرایا جارہا ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، اور بدقسمتی سے عورت مفلوک الحال ہے تو پھر اس کی خبرگیری کرنے والا کون ہوگا؟ درحقیقت یہ سوال ہندوازم میں عورت کی حیثیت کی بنیاد پر ہے، ہندو سماج میں جب ایک لڑکی کی شادی ہوگئی تو اب اس کا تعلق اس کے میکے سے برائے نام باقی رہ جاتا ہے، اس کا پورا دارومدار اس کے شوہر پر ہو جاتا ہے۔ وہ بیچاری اپنے شوہر ہی کے رحم و کرم پر زندگی گذارنی شروع کردیتی ہے، اگر اس کے والدین ذی ثروت اور مالدار ہوئے تب بھی اس کا حصہ ان کی جائداد سے نہیں لگتا، اسی نظریہ کے پیش نظر اس سماج نے زرعی زمینوں سے لڑکی کو قانوناً بھی محروم کردیا ہے، اور غالباً یہی وجہ ہوگی کہ جب شوہر کے انتقال کے بعد اس کا پرسانِ حال کوئی نہ ہوگا تو اس کے لئے یہ بہتر ہوگا کہ وہ در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے بجائے شوہر کی جلتی ہوئی چتا میں خود کو ستی کردے، اور زندگی کی مصیبت سے ہمیشہ کے لئے نجات پا جائے (گو کہ اب اس قسم کی رسم کو ممنوع قرار دے دیا گیا)

ہندوازم کے اس سماجی بندھن کے پیش نظر یہ سوال قدرتی طور پر پیدا ہونا ہی چاہئے تھا کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو اب یہ عورت کہاں جائے، خصوصاً جب کہ وہ مفلوک الحال اور تنگ دست ہو، اس ذہنیت نے اس کا یہ حل نکالا کہ کیوں نہ اس مطلقہ کو قانونِ نفقہ دفعہ ۱۲۵ سی آر پی سی میں داخل کرکے تاموت یا تا نکاح ثانی اسے اس کے سابق شوہر کی بیوی قرار دے کر اس پر نفقہ لازم قرار دے دیا جائے، چنانچہ دفعہ ۱۲۵ میں بیوی کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی کہ بیوی میں وہ عورت بھی شامل ہے جس کے مرد نے اس کو طلاق دیدی ہو یا خود اس نے اپنی مرضی سے طلاق لے

لی ہو اور طلاق کے بعد اس کا نکاح نہ ہوا ہو۔ گویا کہ یہ مطلقہ عورت طلاق کے بعد بھی تا نکاح ثانی اپنے شوہر سابق سے نفقہ وصول کر کے سماج میں زندگی گذار سکتی ہے۔

اس کے برخلاف اسلام نے عورت کو جو مقام دیا ہے اس کی نظیر دنیا کے دیگر مذاہب بھی مل کر نہیں پیش کر سکتے، اس کے نزدیک عورت سماج کا ایک معزز فرد ہے، جس طرح وہ نکاح سے پہلے خاندان کی پاکیزہ بیٹی تھی اسی طرح نکاح کے بعد بھی وہ خاندان کی معزز رکن شمار ہوتی ہے اس کے حقوق و فرائض کا تعلق میکہ سے اسی طرح وابستہ رہتا ہے، جس طرح پہلے تھا، خاندانی اعزہ کی وفات کے بعد خاندان کے دیگر نرینہ اولاد کی طرح اس کو بھی میراث سے حصہ ملے گا، فرق صرف اتنا ہے کہ بھائیوں کو دو حصہ ملے .... اور اس کو ایک حصہ ملے گا، اسلام نے میراث کے جو قوانین ہمیں دیئے ہیں، اگر ہم ان کی پوری رعایت کریں تو شاید ایسی عورتیں بہت کم مل سکیں جو اپنی زندگی میں پریشان اور بے یار و مددگار ہوں۔

کیا مسلم مطلقہ عورت اسلام میں بے سہارا ہے؟

اسلامی تعلیمات کا اصل منشار تو یہ ہے کہ نکاح کا معاہدہ عمر بھر کے لئے ہو، ٹوٹنے کی نوبت ہی نہ آئے، کیونکہ اس معاملے کے انقطاع کا اثر صرف فریقین ہی تک محدود نہیں رہتا، نسل اولاد کی تباہی، اور بسا اوقات خاندانوں اور قبیلوں میں فساد تک کی نوبت پہونچ جاتی ہے، قرآنی تعلیمات نے ان تمام اسباب کو راہ سے ہٹانے کا پورا انتظام کیا جو اس میں حائل ہوتی ہیں، ناموافقت کی صورت میں اول افہام و تفہیم کی، پھر زجر و تنبیہ کی ہدایات دیں، اور اس سے بھی آگے اگر معاملہ پہونچ چکا ہے تو خاندان ہی کے چند افراد کو حکم اور ثالث بنا کر معاملے کرنے کی تعلیم دی، بعض اوقات طرفین میں ایسی ناچاقی بڑھ جاتی ہے کہ اصلاح حال کی تمام تدبیریں بے سود نظر آتی ہیں، تعلقِ نکاح کا مطلوبہ ثمرہ حاصل ہونے کے بجائے طرفین کا آپس میں مل

رہنا ایک عذاب بن جاتا ہے۔ ایسی حالت میں اس ازدواجی زندگی کا ختم کردینا ہی طرفین
کے لئے راحت اور سلامتی کی راہ ہو جاتی ہے، اس لئے شریعت اسلامی نے بعض دوسرے
مذاہب کی طرح یہ بھی نہیں کہا کہ رشتۂ ازدواج ہر حال میں ناقابلِ فسخ ہی رہے بلکہ طلاق
اور فسخِ نکاح کا قانون بنایا ۔

جب شریعت نے اصلاحِ حال کی ان تمام کوششوں کی ناکامی کے بعد قانونِ طلاق کو
طرفین کی بھلائی اور ان کی سلامتی کے لئے نافذ قرار دیا تو کیا باری تعالےٰ کی ذات عالی
سے اس کی امید کی جاسکتی تھی کہ وہ اس مطلقہ عورت کو بے یار و مددگار چھوڑ دے گا
خصوصاً جبکہ ان کے یہاں عام انسانوں سے لے کر جانوروں تک کی خبرگیری پر ترغیبی ہدایات
بے شمار موجود ہوں

قرآن عام رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور محتاجوں کی خبرگیری پر اس طرح
روشنی ڈالتا ہے۔

ليس البر أن تولوا
وجوهكم قبل المشرق و
المغرب ولكن البر من
آمن بالله واليوم الآخر
والملائكة والكتاب و
النبين وآتى المال على
حبه ذوي القربى واليتامى
والمساكين وابن السبيل
والسائلين وفي
الرقاب واقام الصلوة

سارا کمال اسی میں نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق
کی طرف کرلو یا مغرب کی، لیکن اصل کمال تو یہ
کہ کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے اور قیامت کے
دن پر اور فرشتوں پر اور اللہ کی کتابوں پر اور
سب پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں مال دیتا
ہو اپنے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو، اور
غریبوں کو اور مسافروں کو، اور لاچاری میں
سوال کرنے والوں کو، اور قیدیوں اور غلاموں
کی گردن چھڑانے میں خرچ کرتا ہو، اور نماز
کو قائم رکھتا ہو، اور زکوٰۃ کو ادا کرتا ہو کہ

وأتو الزکوٰۃ ، (البقرۃ) اصل کمالات یہ چیزیں ہیں ۔

نادار و بے شوہر عورت کی مدد کرنے والوں کو یہ خوشخبری دی گئی ۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الساعی علی الارملۃ والمسکین کالساعی فی سبیل اللّٰہ و احسبہ کالقائم لا یفتر وکالصائم لا یفطر، (متفق علیہ مشکوٰۃ)	آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے خاوند والی عورت اور مسکین کی ضرورت میں کوشش کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ جہاد میں کوشش کرنے والا اور غالباً یہ بھی فرمایا کہ ایسا ہے جیسا رات بھر نماز پڑھنے والا کہ ذرا بھی سستی نہ کرے، اور دن بھر روزہ رکھنے والا کہ ہمیشہ روزہ دار ہے ۔

بیوہ یا مطلقہ عورت کی خبر گیری اور اس کی اعانت کو بہترین صدقہ قرار دیا گیا ۔

عن سراقۃ بن مالک ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال الا ادلکم علی افضل الصدقۃ ابنتک مردودۃ الیک لیس لہا کاسب غیرک (رواہ ابن ماجہ کذا فی المشکوٰۃ) ۔	آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں بہترین صدقہ بتاتا ہوں، تیری وہ لڑکی (اس کا محل) ہے جو لوٹ کر تیرے ہی پاس آگئی ہو، اور اسکے لئے تیرے سوا کوئی کمانے والا نہ ہو (کہ ایسی لڑکی پر جو بھی خرچ کیا جائے گا وہ بہترین صدقہ ہے) ۔

لوٹ کر آنے سے مراد یہ ہے کہ لڑکی کا نکاح ہو چکا تھا لیکن بد قسمتی سے اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا، یا شوہر نے طلاق دے دی یا کوئی اور عارضہ پیش آگیا، جس کی وجہ سے وہ لڑکی پھر باپ کے ذمہ ہو گئی تو ایسی حالت میں اس کی خبر گیری اور کفالت میں روپیہ خرچ کرنا افضل ترین صدقہ ہے ۔

ماں اگر کافرہ ہے تب بھی آپ نے اس کی اعانت کا حکم دیا۔

عن اسماء بنت ابی بکر قالت قدمت علیّ امّی وھی مشرکۃ فی عھد قریش فقلت یا رسول اللّٰہ ان امی قدمت علی وھی راغبۃ افا صلھا قال نعم ، صلیھا۔
(متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ)

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ جس زمانے میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا قریش سے معاہدہ ہو رہا تھا اس وقت میری والدہ (مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ) آگئیں، میں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ میری والدہ (میری اعانت کی) طالب بن کر آئی ہیں، ان کی اعانت کردوں؟ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہاں ان کی اعانت کرو۔

آپ نے جانوروں تک کی خبرگیری کرنے پر اجر و ثواب کی بشارت سنائی۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم غفر لامرأۃ مومنۃ مرت بکلب علی راس رکی یلھث کاد یقتلہ العطش فنزعت خفھا فاوثقتہ بخمارھا فنزعت لہ من الماء فغفرلھا بذالک ، قیل ان لنا فی البھائم اجراً قال فی کل ذات کبد رطبۃ اجر
(متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ)

آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک فاحشہ عورت کی اتنی بات پر بخشش کردی گئی کہ وہ چلی جارہی تھی۔ اس نے ایک کنویں پر دیکھا کہ ایک کتا کھڑا ہوا ہے جس کی زبان پیاس کی شدت کی وجہ سے باہر نکل پڑی ہے اور وہ مرنے کو ہے اس عورت نے اپنے پاؤں کا (چمڑے کا) موزہ نکالا اور اوڑھنی میں باندھا اور کنویں سے پانی نکالا کر اس کتے کو پلایا آپ سے کسی نے پوچھا کیا ہم لوگوں کو جانوروں کے صلہ میں بھی ثواب ملتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر جگر رکھنے والے (یعنی جاندار) کے احسان کرنے میں ثواب ہے، مسلمان ہو یا کافر آدمی ہو یا جانور۔

یہ اور اس قسم کی بے شمار آیات قرآنی اور احادیث نبویہ موجود ہیں جو انسان کو انسانیت کا درس، غریبوں، مسکینوں کی خبرگیری پر اجر وثواب کی بشارت، اپنوں کے ساتھ حسنِ سلوک، صلہ رحمی اور ان کی کفالت کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔

ان عام ارشادات کے ہوتے ہوئے کیا کسی کے وہم وخیال میں اس بات کی گنجائش باقی رہتی ہے کہ شریعت اسلامی نے اس نادار مطلقہ عورت کو پریشانیوں کے جھیلنے کے لئے بے یار ومددگار چھوڑ دیا ہوگا، افسوس تو اس کا ہے کہ غیر تو غیر خود اپنے اسلامی شریعت کی ناقص معلومات کی بنیاد پر اس مسئلہ میں الجھ گئے اور خود مجتہد مطلق بن کر شریعت میں موشگافیاں کرنے لگے، ان حضرات کی نگاہوں میں حکومت کا قانون نفقہ (دفعہ ۱۲۵) ہمہ گیر قوانین دکھائی دیا، اور شریعت مطہرہ کا قانونِ نفقہ ناقص اور قابل ترمیم نظر آیا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے قانونِ نفقہ دفعہ ۱۲۵ سی، آر، پی، سی پر ایک نظر ڈال لی جائے، اور دیکھا جائے کہ کیا یہ قانونِ نفقہ شریعت انسانی کے ہر فرد کو محیط اور اس کی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے۔

قانون نفقہ دفعہ ۱۲۵ (سی، آر، پی، سی) پر ایک نظر

یہ دفعہ ضابطہ فوجداری کے تحت ہے اس میں تین رشتوں کے نفقہ کی وضاحت ہے، بیوی، اولاد، اور والدین اس دفعہ کا ترجمہ یہ ہے۔

"دفعہ ۱۲۵ (۱) اگر کوئی شخص جس کی معقول آمدنی ہو اور گذارہ کی استطاعت رکھتا ہے لیکن حسب ذیل لوگوں کو نفقہ دینے میں لاپرواہی یا انکار کرتا ہو (الف) اپنی بیوی کو جو خود کفیل نہ ہو، (ب) اپنے نابالغ جائز وناجائز بچوں کو جن کا کوئی ذریعہ معاش نہ ہو، چاہے وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ (ج) اپنے بالغ جائز وناجائز اولادوں کو جو اپنی دماغی

وجسمانی کمزوری کی وجہ سے خود کفیل نہ ہو (اس میں شادی شدہ شامل نہیں ہیں) (د) اپنے ماں باپ کو جن کا کوئی ذریعہ معاش نہ ہو، تو فرسٹ کلاس مجسٹریٹ کو اختیار ہوگا، کہ وہ اس بات کا ثبوت مل جانے پر کہ وہ شخص نفقہ دینے میں لاپرواہی وکوتاہی یا انکار کرتا ہے تو حکم دے گا کہ متعلقہ شخص اپنی بیوی بچوں یا ماں باپ کو ماہواری الاؤنس دے جو پانچ سو روپئے سے زیادہ کا نہ ہوگا یا الاؤنس کی رقم کے بارے میں مجسٹریٹ جتنا بھی منظور کرنا مناسب سمجھے، شرط یہ ہے کہ مجسٹریٹ کو اختیار ہوگا کہ وہ نابالغ لڑکی کے باپ کو حکم دے کہ وہ نابالغ لڑکی کو اس وقت تک نفقہ دیتا رہے جب تک کہ اس کی لڑکی کا نکاح نہ ہو جائے، اس کے نکاح کے بعد اگر اس کے شوہر کا کوئی ذریعہ معاش نہ ہو تو بھی باپ کے ذمہ ہی نفقہ عائد ہوگا۔

اس باب کی تشریح حسب ذیل ہے (الف) نابالغ کے معنی اس شخص سے ہے جو انڈین مجارٹی ایکٹ ۱۸۷۵ء (ایکٹ نمبر ۹ آف ۱۸۷۵ء) کے مطابق بالغ نہ ہوا ہو، (ب) بیوی میں وہ عورت بھی شامل ہے جس کے مرد نے اس کو طلاق دیدی ہو یا خود اس نے اپنی مرضی سے طلاق لے لی ہو، اور طلاق کے بعد اس کا نکاح نہ ہوا ہو" ۱۲۵ ، (۲) نفقہ کی ادائیگی مجسٹریٹ کے حکم کی تاریخ سے یا نفقہ دینے کی درخواست کے دن سے کی جائے گی"

۱۲۵ (۳) اس شق میں نفقہ کی عدم ادائیگی پر مجسٹریٹ کا کیا حکم ہوگا اس کو بیان کیا گیا ہے۔　　　　(ماخوذ ہفت روزہ نقیب پٹنہ تحفظ شریعت نمبر)

دفعہ ۱۲۵ کی چند خرابیاں

(۱) یہ دفعہ خاندان کے ان تینوں رشتوں کے علاوہ دیگر افراد جو کبھی نفقہ کے

محتاج ہو جاتے ہیں جیسے دادا، دادی، بھائی، بہن اور دور کے رشتہ دار ان کے نفقے کا انتظام کوئی قانون میں موجود نہیں ہے۔

(۲) اگر کسی عورت کا شوہر غائب ہو جائے اور باپ بچے یا ماں کا مال موجود نہ ہو تو اب عورت کیا کرے، یہ قانون اس کے لئے خاموش ہے۔

(۳) سابق شوہر پر عورت کے نفقہ کی ذمہ داری ڈالنے کی صورت میں عورت کے جذبۂ انتقام کو کچھ تسکین تو ضرور ہو جائے گی، لیکن مرد کے دل میں رحم وکرم کا ادنیٰ درجہ بھی باقی نہ رہے گا، وہ ہر قیمت پر اس ذمہ داری سے بچنا چاہے گا، خصوصاً جب وہ یہ جان رہا ہوگا کہ اس نفقہ کی ادائیگی مذہبی طور پر عائد نہیں ہوتی، لہذا ایسی صورت میں عورت عدالت کا دروازہ بار بار کھٹکھٹانے پر مجبور ہوگی، جو ایک نادار عورت کے لئے کورٹوں کا بار بار چکر لگانا ناقابلِ برداشت مصیبت ہے۔

(۴) عدالت نے اگر اس مطلقہ عورت کیلئے ۴۰۰ یا ۵۰۰ روپیہ ماہانہ نفقہ سابق شوہر پر مقرر کر دیا تو ایسے بھی سنگ دل رشتہ دار ہوتے ہیں کہ وہ اس ماہانہ الاؤنس کی لالچ میں اپنی اس عزیزہ کا رشتۂ نکاح تلاش کرنے میں غفلت برتیں گے، کیونکہ شادی ہو جانے کی صورت میں یہ ماہانہ الاؤنس بند ہو جائیگا

اس کے برخلاف اسلام کا قانونِ نفقہ ایک ہمہ گیر قانون ہے جو انتہائی منضبط اور جامع و مکمل ہے، عقل و فطرت کے تقاضے کے عین مطابق ہے، اسلام نے بیوی، اولاد، والدین، دیگر اعزہ واقارب، غلام و باندی اور خادم حتیٰ کہ جانوروں اور وقتی نادار مسافروں، غربا ومساکین اور محتاجوں کے لئے ایک بے مثل قانونِ نفقہ بنایا ہے۔

اسلام کا قانون نفقہ اسلام کا ایک نفقہ استحبابی ہے جس کا تعلق عام غربار و مساکین سے ہے اور دوسرا نفقہ وجوبی ہے جو کبھی قرابت کی وجہ سے ہوتا ہے، اور کبھی زن و شوہر کے تعلقات کی بنیاد پر، اور کبھی دوسرے کی ملکیت میں دے دینے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔

غربا و مساکین کے نفقے کے سلسلے میں شریعت نے بار بار مسلمانوں کو نہ صرف انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی بلکہ ہر ذی ثروت اور صاحبِ نصاب مسلمان پر مال کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ فرض قرار دیا اسلام کا یہ صیغہ اتنا اہم قرار پایا کہ اسے اسلام کی بنیادوں میں شامل کر دیا، قرآن کی روشنی کے مطابق اس نفقے کے مندرجہ ذیل حضرات مستحق ہوں گے۔

(۱) فقراء جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو (۲) مساکین (جن کے پاس بقدر حاجت میسر نہ ہو) عاملین ۳ یعنی وہ لوگ جو اسلامی حکومت کی طرف سے تحصیلِ صدقات کے کاموں پر مامور ہوں، ۴ مؤلفۃ القلوب یعنی وہ لوگ جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں، اکثر علماء کے نزدیک حضورؐ کی وفات کے بعد یہ مد نہیں رہی، ۵ رقاب، یعنی غلاموں کا بدل کتابت ادا کر کے آزادی دلائی جائے یا اسیروں اور قیدیوں کا فدیہ دے کر رہا کرایا جائے، ۶ غارمین، یعنی وہ لوگ جن پر کوئی حادثہ پڑا اور مقروض ہو گئے یا کسی کی ضمانت وغیرہ کے بار میں دب گئے، ۷ سبیل اللہ جہاد وغیرہ میں جانے والوں کی اعانت کی جائے، ۸ ابن السبیل، یعنی مسافر جو حالت سفر میں مالک نصاب نہ ہو گو مکان پر دولت رکھتا ہو۔　　　(سورۂ توبہ)

قرابت کی وجہ سے جو نفقہ واجب ہوتا ہے اس میں اولاد، والدین کے علاوہ دادا، دادی، بہن، بھائی اور دیگر رشتہ داروں کا نفقہ بحالت محتاجگی شامل ہے حتیٰ کہ اگر والدین

ہم مذہب نہ ہوں تب بھی اولاد پران کا نفقہ واجب ہے، ان کی راحت وآرام کا انتظام کریں، قرآن کریم کا صاف حکم ہے۔

وصاحبهما فى الدنيا معروفاً (سورہ لقمان) — اور والدین کا دنیا میں دستور کے موافق ساتھ دو۔

دوسری جگہ قرآن کا ارشاد ہے۔

ووصينا الانسان بوالديه حسنا۔ (سورہ عنكبوت) — اور ہم نے تاکید کردی انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی سے رہنے کی۔

مندرجہ بالا آیات کے پیش نظر فقہاء نے یہ صراحت کردی کہ اولاد پر لازم ہے کہ وہ اپنے والدین کا نفقہ برداشت کریں، اگر وہ محتاج ومجبور اور معذور ہوں گو دین ومذہب والدین کا سے اولاد سے مختلف ہو، کیونکہ ان آیات کا شان نزول ہی ایسے ماں باپ کے حق میں تھا، جو کافر تھے، شریعت اس بات کی کیونکر اجازت دے سکتی تھی کہ اولاد تو دنیا کی تمام لذتوں سے مستفیض ہو اور والدین تنگ دستی میں بھوکے مرجائیں۔

اسی طرح اگر دادا، دادی محتاج ہوں تو شرعاً اسلام نے اس کے نفقہ کی ذمہ داری بھی اس پر ڈالی ہے، کیونکہ باپ کی عدم موجودگی میں دادا ہی اس کا قائم مقام ہوتا ہے، چونکہ دادا اس اولاد کے زندہ ہونے کا سبب ہے اس لئے وہ اس اولاد پر اپنی زندگی کا استحقاق رکھتے ہیں، جیساکہ والدین کی صورت میں ہے۔

اسی طرح ایک مسلمان رشتہ دار اپنے ان دیگر رشتہ داروں کے نفقہ کا ذمہ دار ہوگا جن سے میراث کا باہمی تعلق ہو، وہ حسب قاعدہ وراثت نفقہ دے گا، کیونکہ نفقے کا تعلق میراث کے ساتھ ہے، اسی بنا پر ایک مسلمان پر یہ واجب نہیں کہ وہ اپنے غیر مسلم بھائی کو نفقہ دے اس لئے کہ غیر مسلم مسلمان کی میراث میں حصہ نہیں لے سکتا، نفقہ ہر ذی رحم محرم کے لئے واجب ہوتا ہے، جب کہ وہ نابالغ یا محتاج ہو، یا عورت بالغہ نادار ہو، یا

مرد بالغ نادار، لنجہ یا اندھا ہو، کیونکہ قریبی رشتہ داری میں احسان کرنا واجب ہوتا ہے ، جو رشتہ دار محرم ہو وہ قریب ہوتا ہے ، دور کی رشتہ داری میں نفقہ واجب نہیں ہوتا خدا وند قدوس نے ارشاد فرمایا ، وعلی الوارث مثل ذٰلک ،، یعنی وارث پر اس کے مثل واجب ہے ، بالفاظ دیگر استحقاق اور ذمہ داری دونوں کا تعلق یکساں طور پر ہوتا ہے ، یعنی جس درجے میں جو رشتہ استحقاق رکھتا ہے اسی درجہ میں اس پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے ،

صاحب قدوری علامہ ابوالحسن فرماتے ہیں کہ : نفقہ کا واجب ہونا میراث کی مقدار پر ہے ، کیونکہ آیت میں وارث کا لفظ کہنے میں یہ تنبیہ ہے کہ مقدار میراث معتبر ہے، کیونکہ حالات کے بقدر آدمی تاوان اٹھاتا ہے ، یعنی جتنا اسے میراث سے ملے گا ، اسی حساب سے بالفعل عورت کو نفقہ دے گا ۔،، (بحوالہ مجموعہ قوانین اسلام ج ۳ ص ۹۱۷)

مزید تفصیل درکار ہو تو فقہ اسلامی کا باب الحضانۃ کتاب المیراث اور کتاب النفقات وغیرہ دیکھئے، شریعت نے کسی موقع پر بھی کسی محتاج کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا ہے ، بالفرض اگر اس کے پاس ذی محرم اعزہ و اقارب موجود نہیں ہیں تو یہ زکوٰۃ کے مصرف کے تحت مستحق نفقہ سمجھے جائیں گے ، لاکھوں میں دو یک ہی ایسے لوگ ہوں گے جن کا کوئی ایسا عزیز نہ ہو جس پر قانون شریعت کی رو سے اس کا نان نفقہ عاید نہ کیا جا سکے ایسے لوگوں کا نفقہ بیت المال یا عامۃ المسلمین کے صدقات سے پورا کیا جائے گا ۔

بیوی کا نفقہ زن و شوہر کے تعلقات کی بنیاد پر جو نفقہ واجب ہوتا ہے اس کے بارے میں فقہا تصریح کرتے ہیں ۔

النفقة واجبة للزوجة	بیوی کا نفقہ اس کے شوہر پر واجب ہے خواہ
علی زوجها مسلمة كانت او	بیوی مسلمان ہو یا کتابیہ شرط یہ ہے کہ وہ اپنے
كافرة اذا سلمت نفسها إلى	آپ کو اس کے گھر جا کر حوالہ کر دے ، لہٰذا اس پر

منزله فعليه نفقتها وكسوتها وسكناها . (هداية ص ۴۱۷/۲) لازم ہوگا کہ اس کا کھانا کپڑا اور رہائش کا انتظام کرے۔

ائمہ اربعہ کے نزدیک شوہر پر بیوی کے نفقہ و سکنٰی کے وجوب کی بنیاد زوجیت بالنکاح الصحیح مع حق الاحتباس ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

لان النفقة جزاء الاحتباس وكل من كان محبوسا بحق مقصود لغيره كانت النفقة عليه. (هدايه ص ۴۱۷/۲) شوہر پر بیوی کا نفقہ اس وجہ سے ہے کہ وہ اس کے یہاں محبوس ہو کر رہ جاتی ہے، اور جو شخص دوسرے کے حق کی خاطر محبوس ہوگا قاعدہ میں اس کا نفقہ اس شخص پر ہی ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ بیوی شوہر کے لئے محبوس نہیں رہ گئی ہے چاہے اس نے ملازمت کر رکھی ہو یا اس کے کنٹرول سے باہر ہو تو اس کا نفقہ یعنی کھانا، کپڑا اور رہائش گاہ اس کے شوہر پر واجب نہیں ہے۔

وان نشزت فلا نفقة لها حتى تعود الى منزله . (هداية ص ۴۱۸/۲) بیوی اگر نافرمان ہے تو اس کا نفقہ اسوقت تک شوہر پر نہیں جب تک لوٹ کر شوہر کے گھر نہ آجائے۔

مطلقہ کا نفقہ اگر کسی مجبوری کے تحت شوہر نے بیوی کو طلاق دے دی تو جب تک وہ عدت میں رہے گی شوہر کے ذمہ اس کا نفقہ لازم رہے گا، اسلئے کہ وہ عدت اس کے لئے گذار رہی ہے کہ کہیں شوہر کا نطفہ حمل نہ بن کر رہ گیا ہو، گویا شوہر کے حق کی خاطر وہ تین حیض یا تین مہینے عدت کے گذارتی ہے۔

علامہ قرطبی آیت کریمہ وان کن اولات حمل (سورہ طلاق) کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں

لا خلاف بين العلماء فى وجوب النفقة والسكنى للحامل المطلقة علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اس حاملہ کے نفقہ و سکنٰی کے وجوب میں

ثلاثًا او اقل منهن حتى تضع حملها . (بحوالہ مسلم پرسنل لا اور نفقہ مطلقہ کا مسئلہ ص۱۳)　　　جسے تین طلاقیں یا اس سے کم دی گئی ہوں تا آنکہ ولادت ہو جائے ۔

عدت کے بعد عورت بائنہ ہو جاتی ہے اسے اپنی دوسری شادی کا پورا اختیار حاصل ہو جاتا ہے ، پہلے شوہر کے لئے وہ اجنبی بن جاتی ہے ، اب سابق شوہر سے اس کا شرعًا کوئی تعلق باقی نہیں رہ جاتا ، آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک روایت حضرت عمرؓ یوں بیان فرماتے ہیں

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول للمطلقة الثلث النفقة و السكنىٰ مادامت فى العدة (هدايه ص۴۲۳/۲)　　　میں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کیلئے نفقہ وسکنیٰ صرف اس وقت تک ہے جب تک وہ عدت میں ہے ۔

غرضیکہ مطلقہ عورت زمانۂ عدت تک کی نفقہ کی حقدار ہے ، عدت کے بعد چونکہ اس کا سابق شوہر سے زوجیت کا تعلق باقی نہیں رہتا اس لئے اس کا کسی بھی قسم کا کوئی نفقہ طلاق دینے والے شوہر کے ذمہ واجب نہیں ہوتا ۔

نادار مطلقہ عورت کا نفقہ

مطلقہ عورت عدت گذارنے کے بعد اب کہاں جائے اور اس کے نفقہ کا ذمہ دار کون ہو ، سو اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اب یہ عورت اسلام کے قوانینِ ازدواج سے نکل کر قوانینِ کفالت کے تحت آگئی ، کیونکہ قوانین ازدواج کا تعلق صرف زمانۂ زوجیت تک باقی رہتا ہے ، اور جب رشتہ زوجیت عدت کے بعد ختم ہوگیا تو اس کے نفقہ کی ادائیگی اب قوانین کفالت کے تحت آئے گی ، اسلام نے اسی سلسلہ میں مندرجہ ذیل اصول مقرر فرمائے ہیں ۔

۱ ۔ قرآن پاک کی اس آیت وصاحبهما فى الدنيا معروفا ، کے تحت سب سے پہلے ذمہ داری اس کے اولاد پر آتی ہے ، اگر اولاد ہو خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں

وہ اپنی ماں کے اخراجات برداشت کریں، اگر سب کے سب خوش حال ہوں تو سب لڑکے لڑکیاں برابر برابر اس کا نان ونفقہ مہیا کریں گے، ورنہ ان میں جو نفقہ دینے کی حیثیت سے ہوگا وہ نفقہ کی ذمہ داری اٹھائے گا

۲ ۔ نادار مطلقہ کے اگر اولاد نہ ہو، یا سب کے سب بالکل مفلوک الحال اور تنگدست ہوں تو اگر اس کے والدین زندہ ہیں تو اب ان والدین کا فرض ہوگا کہ وہ اپنی اس مجبور لڑکی کی خبرگیری کا فریضہ انجام دیں۔

تجب نفقة الابنة البالغة والابن الزمن على ابويه اثلاثا على الاب ثلثان وعلى الام ثلاث لان الميراث لهما على هذ المقدار. (هدايه ۲۲۴/۲۲۰)

بالغہ لڑکی کا نفقہ اور مجبور لڑکے کا نفقہ ماں باپ پر واجب ہے، باپ پر دو تہائی، اور ماں پر ایک تہائی اس لئے کہ ان پر میراث اسی طرح تقسیم ہوتی ہے۔

. . . .

۳ ۔ مطلقہ عورت کے اگر نہ اولاد ہوں نہ والدین ہوں یا سب مفلوک الحال اور نادار ہوں تو اس کے نان نفقہ کی ذمہ داری اس کے قریبی اعزہ پر عائد ہوگی میراث کے قاعدے کے مطابق ان پر اس کا نفقہ واجب ہوگا، اولاد اور ماں باپ کے بعد جن اقرباء پر نان نفقہ کی ذمہ داری آتی ہے، ان کی فہرست بہت طویل ہے ہم یہاں چند کا ذکر کرتے ہیں، ماں، دادا، دادی، نانا، نانی، بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی، بھتیجا، بھتیجی، بھانجہ، بھانجی وغیرہ۔

اولاد اور والد کے علاوہ مطلقہ عورت کے دوسرے رشتہ داروں میں اگر سب خوش حال ہیں تو بھی نزدیکی اور قرب کو دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا اور کبھی یہ دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا کہ یہ مطلقہ عورت اگر مال چھوڑ کر فوت ہو تو اس میں ترکہ کس کس حساب سے تقسیم ہوگا، اسی تناسب سے ان رشتہ داروں میں نفقہ عائد کیا جائے گا۔

۴ ۔ اگر ان رشتہ داروں میں سے کوئی نہ ہو یا بالفرض سب مفلوک الحال ہوں تو حکومت کے بیت المال و خزانہ سے اس کو نفقہ دلایا جائے گا ۔

۵ ۔ اگر خزانہ سے ملنے کی کوئی صورت نہ ہو تو عام مسلمانوں پر اس کے نفقہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے ، خواہ وہ صدقات اور زکوٰۃ سے اس کا انتظام کریں یا کسی اور مد سے ۔

الحاصل! اسلام کا قانونِ نفقہ اتنا ہمہ گیر قانون ہے جو معاشرۂ انسانی کی صلاح و فلاح کی مکمل ضمانت دیتا ہے ، اسلام اس نادار مطلقہ عورت کو کبھی مجبور نہیں کریگا کہ وہ محنت و مزدوری اور ملازمت کے دروازہ کو کھٹکھٹاتے پھرے ، بالغ ہونے کے بعد اگر اس کی شادی نہیں ہوسکی ہے یا طلاق ہو جانے کی وجہ سے بے سہارا ہو گئی ہے تو نادار ہونے کی صورت میں اس کا نان و نفقہ خونی رشتہ رکھنے والے اقربا کے ذمہ عائد ہوگا اور اس لڑکی سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تندرست اور ہنر مند ہو لہٰذا کما کر یا ملازمت کر کے اپنے مصارف پورے کرو ، اس کے برخلاف لڑکے کے بالغ ہونے کے بعد اس کی ذمہ داری والدین سے ساقط ہو جاتی ہے ، الآیہ کہ لڑکا نادار اور دماغی و جسمانی اعتبار سے معذور ہو ۔

نادار مطلقہ عورت کے نفقے کی ذمہ داری اقربا پر ڈالنے کی ایک یہ بھی حکمت ہے کہ ان کے دلوں میں اس کے لئے جذبۂ محبت زیادہ ہوتا ہے وہ اس کی خبر گیری میں بوجھ محسوس نہیں کریں گے ، اگر وہ شادی کے لائق ہے تو اس کی فکر کریں گے ، اس کے لئے رشتہ تلاش کرنے میں کوشش کریں گے بخلاف نفقہ سابق شوہر پر لازم کرنے کی صورت میں وہ اسے بوجھ محسوس کرتا ہے ، اور اس کے تحت جو جذبۂ نفرت دل میں پیدا ہوتا ہے اس بنیاد پر وہ اس لازم شدہ نفقہ سے بچنے کی ہر امکانی کوشش کرے گا ۔ ۔

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفلِ انجم بھی نہیں

مسلم پرسنل لا کا مسئلہ اور موجودہ بیداری

محمد ارشد الاعظمی
دارالعلوم فلاح الدارین - ترکیسر

چند ہفتوں سے مسلم پرسنل لا کے مسئلہ پر عام طور سے بہت جوش و خروش دیکھنے میں آرہا ہے، اخباروں میں قارئین کے خطوط اور مضامین سے ان کے نقطہائے نظر سامنے آرہے ہیں، عام طور سے لوگ عارف محمد خان کی تقریر پر اظہار نفرین کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں، (جو بالکل مناسب اور درست ہے) کچھ لوگ ان کی ہم نوائی بھی کرتے ہیں، مسلم پرسنل لا، بورڈ کے بڑے بڑے جلسے ہو رہے ہیں، اور ان میں بڑی تعداد میں لوگوں کی شرکت اس بات کا بین ثبوت ہے کہ امت مسلمہ ابھی بھی زندہ ہے، اور زخموں سے چور اور مصائب سے رنجور یہ امت اب بھی اپنے اندر اپنے دین اور اس کی تعلیمات سے محبت و لگاؤ رکھتی ہے، یہ نہایت خوش آئند بات ہے، خدا کرے کہ یہ دینی احساس، مذہبی شعور اور ملی درد باقی رہے بلکہ روز افزوں ہو۔

یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ ہم وقتی نعرہ بازی جلسے جلوسوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں شاید ہم یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ بڑے بڑے جلسے پر جوش تقریریں، شعلہ بار صحافت اور حکومت

وقت کے خلاف اظہار جذبات سے ہی ہمارے مسئلے حل ہو جائیں گے اور ہم دین و مذہب کی پاسبانی کے ذمہ سے عہدہ برآ ہو جائیں گے، اس کے بعد پھر کچھ اور کرنے کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی، یہ طرز فکر اور آئیڈیالوجی نہ صرف یہ کہ کچھ مفید نہیں بلکہ ملت کے وجود کے لئے خطرہ بھی بن سکتی ہے۔

دوسری بات جو بڑی شدت سے محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم مسائل کے سلسلے میں بڑی سطحی سوچ سے کام لینے کے عادی بن گئے ہیں کسی بھی مسئلے کے پیدا ہونے کی بنیاد کیا ہے، وہ کیا کمزوری ہے جس کی بنا پر یہ مسئلہ پیدا ہوا۔ اس کی کھوج لگانے اور بنیادی کمزوری کو دور کرنے کی طرف ہم بہت کم توجہ دیتے ہیں اور ہم اپنے سارے مسائل کا ذمہ دار حکومت اور حکومت کے وزرا و لیڈران کو قرار دیدیتے ہیں۔

اردو کا مسئلہ ہو، اقلیتوں پر ظلم و ستم کا مسئلہ ہو، مسلم پرسنل لا کا مسئلہ ہو ساری ذمہ داری بڑی آسانی سے چند لوگوں پر ڈال دی جاتی ہے، گویا اگر وہ صحیح ہو جائیں تو سارے مسئلے حل اور ساری خامیاں خود بخود عنقا ہو جائیں گی۔

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ قوموں کا زوال و عروج ان کے ذاتی حالات پر ہی مبنی ہوتا ہے، کوئی حکومت کسی قوم کو تباہ نہیں کر سکتی، جب تک کہ وہ خود تباہی کے سامان نہ کرے۔ تاریخ شاہد ہے کہ قوموں کی تعلیمات کو ختم کرنے والی حکومتیں خود ختم ہو گئیں لیکن خود دار قوم کی ثقافت ان کی اقدار و تعلیمات زندہ رہیں، اسی طرح ہماری زبان، ہمارا کلچر، دین و مذہب، ہمارا ممتاز وجود کبھی لیڈروں کی موافقت، ہمدردی، نظر کرم کا مرہون منت نہیں، حکومتیں آئیں گی، پالیسیاں بدلیں گی، اور ہم اپنی جگہ منارۂ نور اور مشعل ہدایت بن کر چمکیں گے بشرطیکہ ہم اپنے وجود کو باقی رکھنے کا عزم بالجزم کر چکے ہوں ہم اپنی زندگی کو ٹھیک کر چکے ہوں گرم دم گفتگو کے بجائے گرم دم جستجو رکھتے ہوں اور گفتار کے غازی بننے کے بجائے کردار کے غازی بن جائیں۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں ہم اپنی زندگیوں کو نہیں دیکھتے کہ ہم خود روزانہ کتنے اسلامی اصول توڑتے ہیں، ہم خود اپنے کو اور معاشرہ کو کتنا بگاڑتے ہیں، ہم میں کتنی انارکی، بدنظمی، بے سلیقگی قدم قدم پر پائی جاتی ہے، ضرورت تھی کہ ہم کسی اور کو کچھ کہنے سے پہلے اپنے گھر کی خبر لیتے، اپنی اصلاح کرتے، معاشرہ کو صحیح خطوط پر لانے کی کوشش کرتے۔

ہم پھر ان لوگوں سے پوری خود اعتمادی اور بھرپور وثوق سے بات کرتے جو ہمارے گراں قیمت دین و مذہب میں دخل اندازی کا ارادہ رکھتے ہیں ہم اپنے کردار کی عظمت سے ان کا ناطقہ بند کر دیتے، اسلامی معاشرہ کی عملی صداقت ان کی زبان پکڑ لیتی، ضرورت ہے کہ آج مسلم قوم میں پرسنل لا کے موضوع پر پیدا ہونے والی بیداری سے فائدہ اٹھا کر احیائے اسلامی اور اصلاح معاشرہ کی تحریک شروع کر دی جائے۔

اس جوش وخروش کو سلبی جہت سے ہٹا کر مثبت سمت میں لگا دیا جائے، اور صرف حکومت کی مخالفت میں ساری توانائیاں صرف کرنے کے بجائے مثبت انداز سے شہر شہر، قریہ قریہ، بستی بستی ہر مسلم گھرانہ میں اسلامی تعلیمات کو صحیح انداز سے پیش کیا جائے اسلامی تعلیمات میں خیر کے مخفی پہلوؤں کو روشن کیا جائے اور ہر فرد کو آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنی زندگی اب سے اسلامی تعلیمات کے مطابق گزارے گا۔

اگر ہم نے یہ کام کیا تو بس (خدا کے بھروسے پر) پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ یہی لوگ جو آج آیات قرآنیہ کو غلط معانی پہنا رہے ہیں اور یہ تحریف کے مرتکب ہو رہے ہیں کل یہ خود دوبارہ اسلام قبول کریں گے اور نہ صرف یہ کہ اپنی تحریفات سے باز آئیں گے بلکہ صد آفریں کہیں گے ان علماء و مصلحین کو کہ جنہوں نے معاشرہ کی اصلاح کی اور خود انہیں صحیح راہ دکھائی۔

ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارا محافظ صرف خدا تعالیٰ ہے، ہم اسی کے در پر

لتجا کریں گے، اسی کے ہاتھ میں ہماری عزت و ذلت ہے، ہم چند دنوں کے گدی
نشینوں کے سامنے اپنے مسائل پیش کرکے کبھی بھی مطمئن نہیں ہوسکتے، اگر یہ وقتی ملک
کی کشتی کے ناخدا ہم سے خوش بھی ہوگئے، انہوں نے ہمارے مطالبات مان بھی لئے،
اور ہم خود معاشرہ کو اسلامی نہ بنا سکے تو کیا یہ ہماری حکومتی تائید ہمارے حق میں مفید
ثابت ہوگی، اور کیا ہم سے دینی و مذہبی ذمہ داری ختم ہوجائے گی؟ ظاہر ہے کہ جواب
نفی میں ہوگا تو پھر ہم اپنی ساری طاقت حکومت سے ٹکر لینے میں کیوں صرف کر
دیں۔

حکومت کو اپنے موقف سے آگاہ کر دینے کے بعد (اور یہ جتا دینے کے بعد کہ ہم کسی بھی
صورت میں اپنی دینی تعلیمات سے دست کش نہیں ہوسکتے خواہ اس راہ میں ہمیں بڑی
سے بڑی قربانی ہی کیوں نہ دینا پڑے) ہم اپنا رخ اپنے بھائیوں کی اصلاح کی طرف کیوں
نہ پھیر دیں، اگر ہم نے اپنی شریعت کی حفاظت نہیں کی، اپنی زبان اپنے جان و مال کے
صیانت کی خود فکر نہیں کی تو پھر دوسروں سے شریعت، زبان، عزت و آبرو کی حفاظت
کا مطالبہ کیوں ہو؟

***

از قلم
مولانا شمس تبریز خان

متاع طلاق اور نفقۂ مطلقہ ایک متفقہ مسئلہ

سپریم کورٹ جو بجا طور پر اپنی قانون دانی کے لئے ممتاز اور ہندوستان میں عدل وانصاف کے قیام کا اعلیٰ ترین ادارہ ہے اور اس لحاظ سے قابل احترام اور لائق تعریف ہے اور اب تک اس کا رویہ بڑی حد تک قابل تعریف رہا ہے مگر شاہ بانو کیس کے فیصلے میں اس کے چیف جج نے احتیاط اور مذہبی معاملات میں عدم مداخلت کی روش ترک کردی اور قانون کی تشریح و توضیح کے بجائے قانون سازی کا کام اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی اور عورتوں کے بارے میں اسلامی احکام کو ظالمانہ قرار دے کر خود ایک بڑے ظلم کا ارتکاب کیا، اس سے دوسری غلطی یہ ہوئی کہ ایک شرعی مسئلہ کے فیصلے میں نہ کسی مسلم جج کو رکھا گیا، اور نہ کسی عالم اور ماہر قانون کی رائے لی گئی اور نہ متاع مطلقہ کے بارے میں چودہ سو سالہ اسلامی روایت کا پاس و لحاظ کیا گیا اور نہ مسلم عوام وخواص کے اجماع واتفاق عام کو اہمیت دی گئی اور نہ خود ہندوستان میں مروج مسلم پرسنل لار کے گذشتہ فیصلوں اور نظیروں کو اپنایا گیا، اور اپنے فیصلے کے لئے عبداللہ یوسف علی کے کئے ہوئے لفظ "متاع" کے ترجمہ سے "نان ونفقہ" (MAINTENANCE) والے

ترجمے پر اپنے فیصلے کی بنیاد کھڑی کر دی، جب کہ قرآن میں گیارہ جگہ آنے والے اس لفظ کے ترجمے انہوں نے معقول تحفہ، مِلک، تصرف، آرام، اور نفع، کے الفاظ سے بھی کیے ہیں، اور ججوں نے اپنی مقصد برآری کے لئے اے، جے آربری، اور محمد مار ماڈ یوک پکتھال کے ترجموں کا بھی غلط طور پر حوالہ دیا ہے، فقہ اسلامی کے متفقہ فیصلے کو نظر انداز کر کے غیر عربی داں مترجمینِ قرآن کے بعض ترجموں پر اپنے فیصلے کی بنیاد رکھنا کیا فاضل ججوں کے شایانِ شان ہے اور کیا اس سے ان کی غیر جانبداری اور انصاف پسندی مجروح نہیں ہوتی؟

قانون کی تشریح کا حق

کسی قانون خصوصًا مذہبی وآسمانی قانون (DIVINE LAW) کی شرح وتفسیر کا حق اس قانون اس کے ماننے والوں اور اس کے مستند ماہروں ہی کو دیا جانا چاہیئے، خصوصًا اس وقت جبکہ اس کا عملی نفاذ بھی پیش نظر ہو اور اس سلسلے میں غلط فہمی کا بھی اندیشہ ہو مگر بوالعجبی یہ ہے کہ خود اسلامی قانون کا پورا ذخیرہ نفقہ مطلقہ کے تسلسل کا منکر ہے اور علماء وفقہاء اور اسلامی قانون کے ماہرین ومتبعین اس قانون کی نئی اور انوکھی تعبیر کی تردید کر رہے ہیں مگر انصاف دینے والے ہیں کہ زبردستی انصاف "تھوپنے پر تلے ہوئے ہیں جب کہ قانون ہی میں یہ کہا گیا ہے کہ "انصاف اس کو کہتے ہیں جسے انصاف پانے والا بھی انصاف سمجھے" مگر یہاں اسلامی شریعت اور قرآنی آیت کو خود بولنے کا موقع دینے کے بجائے ان کی اپنی من مانی ترجمانی پر اصرار "مدعی سست وگواہ چست" کا بدترین نمونہ پیش کر رہا ہے اسلامی قانون کی تشریح کا حق لازمی طور پر علمائے دین اور مذہب وعربی زبان سے واقف مسلم وکلاء ہی کو دیا جاسکتا ہے، ان کے علاوہ کسی بھی حلقے سے اس کی آزادانہ تشریح باطل اور مسلمانوں کے لئے ناقابل قبول ٹھہرے گی اور بجا طور پر ان کی ناراضگی وبے اطمینانی کا موجب ہوگی خود پریوی کونسل نے عدالتوں کو ہدایت کی ہے کہ مذہبی احکام کی تشریح کا کام وہ ہرگز اپنے ہاتھ میں نہ لیں.

یکساں یا یونیفارم سول کوڈ یکساں یا یونیفارم سول کوڈ ایسے ملک کے لئے تو بہتر و معقول ہے جہاں ایک ہی مذہب و قانون کے ماننے والے ہوں مگر ہندوستان جیسے جمہوری اور سیکولر ملک کے لئے جہاں مختلف مذاہب کے ماننے والے صدیوں سے رہتے آئے ہیں، اور ہندوستان کے تہذیبی تنوع، رنگارنگی اور دل کشی اور کثرت میں وحدت (Unity in Diversity) اور مذہبی رواداری اور وسیع النظری کا نمونہ پیش کرتے ہیں، کسی غیر فطری، نامعقول اور زبردستی کی یکسانیت پر زور دینا۔ جہاں دستور ہند کے خلاف ہے وہیں ہندوستان کی تاریخی و تہذیبی روایت اور تقاضائے انسانیت کے بھی خلاف ہے۔

ہندوستان کے اس ثقافتی تنوع کو (بہ شمول گاندھی جی و جواہر لال نہرو) یہاں کے بیشتر اہل نظر نے سراہا ہے جو ہندوستانیوں کی کشادہ قلبی اور انسان دوستی اور جمہوریت پسندی کی سب سے بڑی علامت ہے، اور جس کی ہر مہذب سماج میں قدردانی و ہمت افزائی کی جاتی ہے، اور اقلیتی و قبائلی ثقافتوں کو فروغ دیا جاتا ہے۔ ابھی ٹائمز آف انڈیا (لکھنؤ) نے "ہندوستان کی طاقت ثقافتی و مذہبی تنوع میں ہے" کے عنوان سے وزیر اعظم راجیو گاندھی کی تقریر شائع کی ہے جس میں انہوں نے کہا ہے "ہندوستان مذاہب کی دولت مشترکہ ہے اور اس کی طاقت اور اتحاد مختلف مذہبی نظاموں کے ساتھ رواداری کی بدولت باقی رہا" (۱)

حقیقت یہ ہے کہ دستور ہند کی دفعہ ۴۴، بنیادی حقوق اور مذہبی آزادی کی دفعہ سے ٹکراتی ہے اور اس کے بنتے وقت بھی مسلم ممبران نے اس سے مسلمانوں کو مستثنیٰ قرار دیئے جانے کی اپیل کی تو ان کو طفل تسلی دیدی گئی اور مسٹر امبیدکر نے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی

- TIMES OF INDIA, 4/12/1985 (1)

مگراب اس قانونی تضاد کو مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ کرکے ہی دور کیا جاسکتا ہے۔

یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے لئے بڑے صبر وضبط، رائے عامہ کی ہمواری اور عوام کے کامل اتفاق واتحاد کی ضرورت ہے اوراس میں عجلت کی کوئی وجہ نہیں اس کے لئے عوامی رضامندی ضروری ہے اوراس کے لئے توجبر کا کوئی جواز ہی نہیں یہ کوئی نسخۂ کیمیا یا جادو کی چھڑی نہیں جس سے ہندوستان کے سارے مسائل حل ہو جائیں گے اور ملک کی سالمیت وترقی اور عزت میں اضافہ ہوگا، بلکہ اس کے برعکس اقلیتوں کا اعتماد واطمینان ہی ملک کی ترقی واستحکام کی ضمانت ہے ؎ صد ملکِ دل بہ نیم نگہ می تواں خرید

خوباں دریں معاملہ تقصیر کردہ اند

سپریم کورٹ کے فیصلے کی حمایت سادہ لوحی یا مفاد پرستی

سپریم کورٹ کے اس غیر دانشمندانہ فیصلے کی حمایت میں اکثریت کا فرقہ پرست طبقہ اور متعصب پارٹیاں آگے ہیں اوراس فیصلے کو اسلام اور مسلمانوں کے لئے نقصان رساں سمجھ کر اس کی زبردست تائید کررہی ہیں، سارا غیر مسلم ہندی اور انگریزی پریس شریعت اوراسلامی تعلیمات پر بیجا اور شرمناک الزامات عائد کرنے کو گویا وقت کی سب سے بڑی خدمت وضرورت سمجھ رہا ہے۔ (۲)

غیر مسلم اپنی ناواقفیت یا تعصب کی بنا پر اگر شریعت کے خلاف کچھ کہتے ہیں تو محل تعجب نہیں مگراس وقت صدمے سے دوچار ہونا پڑتا ہے، جب کوئی مسلمان شریعت کے احکام میں ترمیم وتبدیلی کی بات کرتا ہے، اور فقہ و شریعت کے علم کے بغیر اجتہاد کی دعوت دیتا

---

(۱) اس بدترین اور جارحانہ پروپیگنڈے کا افسوسناک نمونہ ہنگامہ باز صحافی، ARUN SHOURIE کے قلم سے "شریعت" کے عنوان سے ایک طویل مضمون بھی ہے جو تین قسطوں میں جنوری ۱۹۸۶ء کے "السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا" میں شائع ہوا ہے۔

ہے، اس سلسلہ میں مرکزی وزیر عارف محمد خان، اور اصغر علی انجینئر کے بیانات (۱) خواب پریشاں اور مجذوب کی حیثیت رکھتے ہیں اور اسلامی تعلمات سے نا واقفیت مغربی افکار سے مرعوبیت، خوشامدانہ ذہنیت اور مذہب وملت کی بدخدمتی کے مظہر ہیں، انہی کے ساتھ کچھ سادہ لوح و ناواقف یا مفاد پرست مسلمان مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی آواز اٹھاکر حکومت اور ہندوستانی عدالت کے لئے دانستہ یا غیر دانستہ طور پر مداخلت کی راہ ہموار کررہے ہیں ان کی اس افسوسناک اور مذموم حرکت پر ان کا محاسبہ وفہمائش بلکہ مقاطعہ بھی کرنا چاہئے

وسیعلم الذین ظلموا أی منقلب ینقلبون۔

لفظ "متاع" کی لغوی تحقیق

اس تمہید کے بعد ہم متاع مطلقہ کے بارے میں پہلے لغوی ولسانی اور پھر شرعی تحقیق پیش کرینگے۔

قرآن مجید کے سب سے مستند لغت نگار علامہ راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ) لکھتے ہیں کہ

ویقال لما ینتفع به فی البیت متاع ... فالمتاع و المتعة مایعطی المطلقة لتنتفع به مدة عدتها . (۲)	گھر میں جن چیزوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے انہیں متاع کہا جاتا ہے، اس طرح متاع و متعہ وہ سامان ہے جو مطلقہ کو دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس سے عدت کی مدت میں فائدہ اٹھائے۔

---

(۱) عارف محمد خان نے پارلیمنٹ میں بہ تقریر کی اور اپنی غلط رائے پر اصرار جاری رکھا اور وزارت سے مستعفی ہوکر عذر گناہ بدتر از گناہ کی نئی مثال قائم کی اور مسٹر انجینئر نے اشتراکی اخبار "بلٹز" بمبئی کے اگست وستمبر ۱۹۸۵ء کے شماروں میں "قرآن میں عورت کا درجہ" میں ایک طویل مضمون لکھا جسمیں عورتوں کے بارے میں قرآنی احکام کی ایسی تاویل کی جسمیں باطنیت وتشیع، اور تجدد کا رنگ بہت نمایاں تھا،

(۲) المفردات فی غریب القرآن ص ۴۶۱ (بیروت)

قرآن کے دوسرے لغت نگار حسین بن محمد دامغانی نے بھی "متاع" کو مطلقہ کا وہ سامان بتایا ہے جو مہر کے علاوہ شوہر اپنی حیثیت کے مطابق اسے دیتا ہے۔ (۱)

مفسر قرآن مولانا حمید الدین فراہی لکھتے ہیں " متاع مصدر ہے اور اسم کے طور پر بھی مستعمل ہے، ساز و سامان کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور اس میں قلتِ مدت کا مفہوم شامل ہے کبھی تو اس کی صراحت کی جاتی ہے اور کبھی اشارہ کیا جاتا ہے جیسے اللہ تعالے کا ارشاد ہے، متاع فی الدنیا ثم الینا مرجعہم، یعنی لوگوں کے لئے دنیا میں چند روزہ استفادہ ہے پھر ہماری طرف ان کی واپسی ہے، اور ہماری بات کے شواہد بہت ہیں " (۲)

شیخ الازہر اور مفتیٔ دیار مصر شیخ حسنین محمد مخلوف متاع کے معنی عدت کے اندر دیا جانے والا سامان یا نفقہ کے بتاتے ہیں (۳) مستند ترین صاحبِ لغت ابن منظور افریقی، شیخ ازہری کے حوالہ سے لکھتے ہیں، متاع ہر اس شئی کو کہتے ہیں جس سے فائدہ اٹھایا جائے اور وقت پر کام لیا جائے اور وہ دنیا ہی میں ختم ہو جائے . . . .

ازہری متعہ کی ایک قسم کو واجب اور ایک کو مستحب کہتے ہیں، واجب اس مطلقہ کے لئے ہے جس کا مہر شوہر نے نہ مقرر کیا ہو اور نہ اس کے ساتھ قربت ہوئی ہو تو اس پر کم و بیش متعہ دینا واجب ہے یعنی اسے کپڑا پہنائے یا خدمت کے لئے ایک خادم دیدے یا کچھ روپے یا غلہ دیدے اور اس کا کوئی وقت نہیں متعین ہے اس لئے کہ اللہ تعالے نے اس کا کوئی وقت نہیں رکھا ہے بلکہ صرف متعہ دیدینے کا حکم کیا ہے۔

دوسرا متعہ مستحب جو احسان کے طور پر ہے اس صورت میں ہے کہ کسی نے کسی عورت

---

(۱) اصلاح الوجوہ والنظائر فی القرآن ص ۴۲۸ (بیروت ۱۹۷۰ء) (۲) مفردات القرآن، ص ۶۴ (اعظم گڑھ ۱۳۵۸ھ) (۳) لغات القرآن ص ۳۲ (قاہرہ ۱۹۶۵ء)

سے شادی کی اور اس کا مہر بھی مقرر کیا پھر اسے قبل یا بعد دخول طلاق دیدی تو اسے عدم دخول کی صورت میں نصف مہر کے علاوہ متعہ بھی دے جو اسے نفع دے سکے اور یہ اگر چہ اس پر واجب نہیں بلکہ مستحب ہے تاکہ وہ محسنین و متقین میں شمار ہو سکے . . . . نیز متعہ زاد قلیل کو بھی کہتے ہیں ازہری کہتے ہیں کہ متاع وہ وقتی سامان ہے جس سے کام لیا جائے اور وہ باقی نہ رہے ، (۱) مشہور عیسائی لغت نگار معلوف یسوعی متعہ کے معنی لکھتا ہے ، تھوڑا سا سامان جس سے فائدہ اٹھایا جائے ، نقد کے سوا دنیوی قلیل و کثیر سامان ، انسان کا فرش ولباس ،، (۲)

مولانا عبدالحفیظ بلیاوی متاع کے معنی لکھتے ہیں ،، چاندی سونے کے علاوہ سامانِ زندگی ،، (۳)

حماسی شاعر الصمة بن عبد اللّٰه القشیری کہتا ہے -

تمتع من شمیم عرار نجد　　فما بعد العشیة من عرار

نجد کے پھول کی خوشبو سے مستفید ہولو　　کہ شام کے بعد پھر گل عرار نہ ہوگا

دوسرا حماسی شاعر ابن میّادة بھی تمتع کو وقتی فائدے کے معنی میں استعمال کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

تمتع بذا الیوم القصیر فانه　　رهین بأیام الشهور الاطاول

اس مختصر دن سے فائدہ اٹھالو کہ وہ　　مہینے کے لمبے دنوں کے عوض میں ہے

علامہ طاہر پٹنی رح (م ۹۸۶ ھ) ،، متاع ،، کا ترجمہ ،، حقیر اور ناقابل التفات چیزیں اور متعہ کا ترجمہ ،، وقتی سامان ،، کرتے ہیں (۴)

---

(۱) لسان العرب ۴۳۲/۳ - ۴۳۴ (دار لسان العرب ، بیروت) (۲) المنجد ص ۷۴۸ ، (بیروت ۱۹۲۵) (۳) مصباح اللغات ص ۸۰۴ (دھلی) (۴) مجمع بحار الأنوار ۴۳۴/۴ (حیدرآباد ۱۹۷۳ء) .

عربی زبان کے ان ماہرین کی تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ لفظ "متاع" تھوڑے اور وقتی نفع اور ساز وسامان اور کپڑوں کے لیے بولا جاتا ہے جس کو دیکھتے ہوئے مدت العمر یا طویل المیعاد نان نفقہ کی اس میں کوئی گنجائش نہیں پھر قرآن مجید میں متاع نکرہ استعمال ہوا ہے جس کا تقاضا بھی قلت اور جزئیت ہے۔

چند ممتاز مترجمین قرآن کی تصریحات

قرآن مجید کے تمام مستند مترجمین اور ممتاز مفسرین نے آیت متاع کا وہی ترجمہ کیا ہے جو شروع سے آج تک علماء و فقہائے اسلام کے درمیان متفقہ اور مسلمہ ہے اور جس پر مسلمانوں کے عوام و خواص کا عمل رہا ہے اور جو اصلاً خود کتاب وسنت کی تعلیمات وتصریحات ہی پر مبنی ہے، اگر ارد و ہی کے ممتاز مفسرین و مترجمین قرآن کے ترجمے اور تفسیریں نقل کی جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی اس لئے یہاں بطور نمونہ چند ممتاز مترجمین و مفسرین قرآن کی تصریحات پیش کی جا رہی ہیں:

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اس آیت کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں،

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ۔ (البقرۃ: ۲۴۱)	وطلاق دادہ شدگان را لازم است بہرہ مند ساختن بخوش خوئی یعنی نفقہ وسکنیٰ لازم کردہ شد بر پرہیزگاراں "(۱)

حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ آیت کا تشریحی ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

"اور واسطے طلاق دی ہوئی عورتوں کے یعنی جن عورتوں کو طلاق دی اور ان کا مہر مقرر نہ تھا، ان کے واسطے جوڑا ہے مقرر دینا، یعنی کچھ خرچ دیا جائے اچھی طرح خوشی سے، موافق دستور کے، لازم ہے پرہیزگاروں پر جوڑا" (۲)

---

(۱) فتح الرحمٰن ، (۲) موضح القرآن ۶۹/۱، دہلی ۱۳۲۳ھ).

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے بھی آیت کا ترجمہ اور تفسیر تقریباً وہی کی ہے جو حضرت شاہ عبدالقادرؒ صاحب نے کی ہے۔

ترجمہ "اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ہے قاعدہ کے موافق، لازم ہے پرہیزگاروں پر"

تفسیر: پہلے خرچ یعنی جوڑا دینے کا حکم اس طلاق پر آچکا ہے کہ نہ مہر ٹھہرا ہو نہ زوج نے ہاتھ لگایا ہو اب اسی آیت میں وہ حکم سب کے لئے آگیا مگر اتنا فرق ہے کہ سب طلاق والیوں کو جوڑا دینا مستحب ہے ضروری نہیں اور پہلی صورت میں ضروری ہے" خلوت اور مہر مقرر ہونے سے قبل طلاق کی صورت میں جو متعہ لازم ہے اس کی تفسیر میں شیخ الہندؒ لکھتے ہیں:

" مجامعت اور خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق دیدی تو مہر کچھ لازم نہ ہوگا۔ لیکن زوج کو لازم ہے کہ اپنے پاس سے عورت کو کچھ دیدے، کم سے کم یہی کہ تین کپڑے کرتہ، سربند چادر اپنی حالت کے موافق اور خوشی سے دیدے" (۱)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ آیت مذکورہ کا یہ ترجمہ اور تفسیر فرماتے ہیں۔

"اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے کچھ کچھ فائدہ پہنچانا (کسی درجے میں مقرر ہے) قاعدے کے موافق (اور یہ) مقرر ہوا ہے ان پر جو (شرک و کفر سے) پرہیز کرتے ہیں (یعنی مسلمانوں پر خواہ یہ مقرر ہونا وجوب کے درجے میں ہو یا استحباب کے مرتبہ میں)"

حکم سی و سوم ۳۳ میں دو قسم کے مطلقات کا بیان تھا جب کہ قبل دخول طلاق ہوئی تھی ایک کو فائدہ پہنچانا یہ تھا کہ جوڑا دیا، دوسری کو فائدہ پہنچانا یہ تھا کہ آدھا مہر دیا اب وہ

---

(۱) ترجمۂ قرآن از شیخ الہندؒ ص ۴۸، ۴۹ (دارالاشاعت اسلامیہ دہلی)

طلاق والیاں رہ گئیں جنکو دخول کے بعد طلاق دی جائے سوان میں جس کا مہر مقرر کیا گیا ہو اس کو فائدہ پہنچانا یہ ہے کہ پورا مہر دینا چاہیئے اور جس کا مہر مقرر نہ کیا جاوے اس کے لئے بعد دخول کے مہر مثل واجب ہے یہ متاع یعنی مطلق فائدہ پہنچانا اس تفصیل سے تو واجب ہے اور اگر متاع سے مراد فائدہ خاص یعنی جوڑا ہی دینا ہو تو ایک مطلقہ کو تو دینا واجب ہے . . اور باقی سب اقسام میں مستحب اور اگر متاع سے مراد نفقہ لیا جائے تو جس طلاق میں عدت ہے اس میں عدت گزرنے تک واجب ہے خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن غرض آیت اپنے الفاظ عامہ سے سب صورتوں کو شامل ہے اور قاعدہ سے مراد یہی تفصیل ہو جاوے گی اور ہر صورت کے وجوب و استحباب کا فرق دوسرے دلائل سے ثابت کیا جاوے گا اور حقا کو واجب کے معنی میں نہ لیں گے بلکہ ثابت کے معنی میں لیں گے اور علیٰ الزام کے لئے نہ ہوگا بلکہ محض . . تائید کے لئے ہوگا گو درجہ استحباب ہی میں سہی " (۱)

مولانا ابوالکلام آزاد اس آیت کا تشریحی ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

اور یاد رکھو جن عورتوں کو طلاق دیدی گئی ہو تو چاہیئے کہ مناسب طریقہ پر فائدہ پہنچایا جائے یعنی ان کے ساتھ جس قدر حسن سلوک کیا جاسکتا ہے کیا جائے ، متقی انسانوں کے لئے ایسا کرنا لازمی ہے " (۲)

مولانا عبدالماجد دریابادی آیت پر اپنے تفسیری نوٹ میں لکھتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ جس عورت کو طلاق دی جائے یہ نہ ہو کہ اسے ننگا بوجا کر کے بھوکا پیاسا اسی وقت گھر سے نکال دیا جائے بلکہ ایک مدت تک اس کی آسائش کا خیال اور اس کی ضرورتوں کی کفالت شوہر کے ذمہ ہے ، فقہا نے حدیث وسنت کی روشنی میں ایک سہ ماہی کی مدت مقرر کی ہے کہ اتنی مدت تک کھانے پینے اور رہنے سہنے کا

---

(۱) بیان القرآن ۱/۱۴۳ (تاج پبلشرز دہلی) (۲) ترجمان القرآن ۱/۲۹۴ (لاہور)

انتظام شوہر پر واجب ہے، مطلقہ پر اگر تینوں طلاقیں ابھی نہیں پڑی ہیں جب تو یہ حکم متفق علیہ ہے اور اگر پڑ چکی ہیں تو حنفیہ کے یہاں جب بھی یہی حکم ہے" (۳)

متاع مطلقہ ممتاز مفسرین کی نظر میں

قرآن کے مترجمین کی طرح تمام ہی مفسرین قرآن اور ائمہ اربعہ کا اس پر اجماع نظر آتا ہے کہ نفقہ مطلقہ صرف عدت یا وضع حمل تک ہے اور قرآن کی صراحت کے مطابق "متاع" صرف اسی صورت میں واجب ہے کہ زوجۂ مطلقہ سے نہ خلوت ہوئی ہو اور نہ مہر مقرر ہوا ہو اور بقیہ صورتوں میں مستحب ہے، البتہ حسن بصری اسے سب کے لئے واجب کہتے ہیں، یہاں چند ممتاز مفسرین کی رائیں نقل کی جاتی ہیں جن سے اس مسئلے پر انکا اجماع سامنے آتا ہے، قرآن کے قدیم ترین مفسر صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن عباس رض "متاع" کی ادنیٰ قسم میں کرتا، اوڑھنی اور چادر سمجھتے ہیں، اور ادائگی مہر کی صورت میں اسے واجب نہیں بلکہ فضل واحسان قرار دیتے ہیں۔ (۲)

دوسرے قدیم و مستند مفسر ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) حضرت ابن عباس رض سے روایت کرتے ہیں کہ متعۂ طلاق کی اعلیٰ شکل زوجہ مطلقہ کو خادم دینا ہے اور اس سے کم کچھ نقد دینا اور اس سے کم کپڑے دینا ہے، اور امام شعبی سے روایت ہے کہ اوسط درجے کا متعہ یا متاع ایک اوڑھنی ایک قمیص اور ایک چادر ہے اور شعبی رحمۃ اللہ علیہ قاضی شریح کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ پانچ سو درہم دلاتے تھے" (۳)

مشہور حنفی فقیہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص (م ۳۷۰ھ) متعۂ طلاق کے بارے میں ائمہ متقدمین کی یہ آراء تحریر کرتے ہیں، "فقہاء میں امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد، امام زفر متعہ کو مطلقہ غیر مدخولہ کے لئے واجب کہتے ہیں جس کا مہر مقرر نہ ہوا ہو اور اگر خلوت ہو چکی ہو تو اسے متعہ دے

---

(۱) تفسیر ماجدی ۴۴۵/۱ (لکھنؤ) (۲) تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، لابی طاہر الفیروزآبادی ۲۷ (مصر ۱۳۱۶) (۳) تفسیر طبری ۱۲۱/۵ (طبع بیروت)

ابن لیلیٰ اور ابو الزناد متعہ کو واجب نہیں سمجھتے چاہے کوئی دے یا نہ دے اس پر جبر نہیں کیا جائیگا
اس حکم میں مطلقہ کی تمام شکلیں داخل ہیں امام مالکؒ اور لیثؒ کی رائے بھی یہی ہے ۔ ہمارے
اصحاب نے متاع کی کوئی مقدار متعین نہیں کی ہے ۔ اس کی کم و بیش نہ ہو بلکہ ہر زمانے کے متعارف
طریقے پر رکھا ہے ۔ ان سے تین کپڑوں کی بات بھی منقول ہے یعنی قمیص ، دوپٹہ اور شلوار ... حمادؒ
متاع میں نصف مہر مثل دینے کے قائل ہیں ، عطاءؒ کہتے ہیں مناسب متعہ قمیص ، دوپٹہ ، اور چادر
ہے ، امام شعبیؒ کی رائے میں اسے گھریلو استعمال کے کپڑے دیئے جائیں گے ۔

سعید بن المسیبؒ کا قول ہے کہ متعۂ طلاق میں اوڑھنی دینا افضل اور کوئی کپڑا دینا کمتر
ہے ۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرامؓ کے نزدیک متاع کی مقدار اجتہادی امر ہے " (۱)

ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکیؒ (۴۶۸ - ۵۴۳ھ) لکھتے ہیں ، علمائے مالکیہ کی رائے
میں متاع دو وجہوں سے واجب نہیں ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے متعین نہیں کیا ہے بلکہ دینے
والے کی رائے پر چھوڑ دیا ہے ، دوسرے یہ کہ وہ محسنین پر لازم کیا گیا ہے اگر واجب ہوتا تو سب کے
لئے کہا جاتا " (۲)

علامہ ابن الجوزیؒ (م ۵۹۶ھ) کہتے ہیں : متعہ کو واجب کہنے والوں کے تین قول ہیں ایک یہ کہ وہ ہر
مطلقہ کے لئے ہے اس کی روایت حضرت علیؓ ، حسن ، ابو العالیہ ، زہری رحمہم اللہ سے ہے دوسرا یہ کہ جس مطلقہ
کا مہر متعین ہوا سے نصف مہر ملے گا اور اس کے سوا سب کو متاع ملے گا ، یہ حضرت ابن عمرؓ ، قاسم بن
محمد ، شریح اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ کی رائے ہے ۔

تیسرا قول یہ ہے کہ وہ غیر مدخولہ اور غیر متعین مہر والی کے لئے متاع واجب ہے اور اگر مدخولہ
ہے تو مہر مثل دیا جائے گا ۔ یہ رائے امام اوزاعیؒ ، سفیان ثوریؒ ، اور امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کی ہے ۔
اور امام مالکؒ ، امام لیثؒ ، الحکمؒ ، اور ابن ابی لیلیٰؒ کی رائے میں متاع مستحب ہے نہ کہ واجب

۱ۂ احکام القرآن لابن العربی ۱/۲۱۷ (دار المعرفت بیروت) ۔

مقدار متعۂ طلاق میں ابن عباسؓ، وابن السیبؒ کی رائے میں سب سے اعلیٰ خادم دینا ہے اور ادنیٰ وہ جوڑا ہے دینا ہے جس میں نماز پڑھ سکے امام حماد وامام ابو حنیفہ سے اس کی مقدار مہر مثل کے برابر نقل ہے، امام شافعیؒ وامام احمدؒ اسے شوہر کی تنگ حالی وخوش حالی پر منحصر سمجھتے ہیں امام احمدؒ سے یہ بھی روایت ہے کہ متعۂ طلاق میں وہ جوڑا کافی ہے، جس میں نماز ہو جائے، یعنی لمبی قمیص اور دوپٹہ۔ (۱)

امام رازیؒ (م ۶۰۶ھ) "متاع کو وہ عارضی چیز قرار دیتے ہیں جس سے وقتی اور عنقریب ختم ہونے والا نفع حاصل ہو ان کے بیان کے مطابق دنیا کو اس لئے متاع کہا گیا ہے اور وقتی لطف اندوزی کو تمتع کہا گیا ہے"۔ (۲)

ابوالبرکات نسفیؒ متاع کو عدت کا نفقہ کہتے ہیں اور متعۂ طلاق کو اور صورتوں میں مستحب کہتے ہیں۔ (۳)

مشہور ومقبول مفسر قاضی بیضاویؒ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ "اللہ تعالےٰ نے ایک نوعیت کی مطلقہ کے لئے تو متعۂ طلاق واجب کیا اور بقیہ کے لئے بھی (مستحب طور پر) اس کا حکم دیا ہے"۔ (۴)

عہد وسطیٰ کے مستند ومعتمد مفسر علامہ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے آیت متعہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:
بخاریؒ نے سہل بن سعدؓ اور ابی اسیدؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے امیمہ بنت شرجیل سے جب نکاح کیا تو آپ جب اس سے قریب ہوئے تو اس نے کچھ بیزاری کا اظہار کیا اس پر آپ نے ابو اسیدؓ کو اسے کچھ سامان اور دو نیلے کپڑے دیکر رخصت کرنے کا حکم دیا۔ امام شعبیؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا متاع نہ دینے کی صورت میں کسی کو قید کیا جاسکتا ہے، تو امام شعبیؒ نے فرمایا کہ بخدا ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ اس معاملہ میں بند کیا گیا

---

(۱) زاد المسیر فی علم التفسیر لابن الجوزی ۱/ ۲۸۰ (بیروت، ۱۹۶۴ء) (۲) تفسیر کبیر ۲/ ۷۴ (طبع مصر) (۳) مدارک التنزیل وحقائق التاویل ص ۷۲، (دھلی ۱۲۷۸ھ)
(۴) تفسیر انوار التنزیل ص ۱۱۶ (طبع لکھنؤ ۱۲۸۲ھ)۔

ہو واللہ اگر یہ واجب ہوتا تو قاضی حضرات اس کی عدم ادائیگی پر ضرور لوگوں کو بند کرتے: (و اللہ ما رأیت احداً حبس فیہا واللہ لوکانت واجبة لحبس فیہا القضاة)(۱)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) متاع معروف کی تفسیر بآسانی دیئے جانے والے اور ممکن عطیے سے کرتے ہیں اور شافعیہ کے مسلک کے مطابق مطلقات کی تینوں شکلوں کے لئے واجب کہتے ہیں" (۲)

ملا احمد جیون امیٹھویؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ "میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تین طلاق والی عورت کے لئے عدت میں نفقہ و مکان کی سہولت حاصل ہوگی"، اس کا ساتھ ہی وہ آیت کے حکم کو مستحب قرار دیتے ہیں، (۳)

علامہ رشید رضا مصری اس آیت پر تفصیلی بحث کا خلاصہ یہ قرار دیتے ہیں کہ " محتاط اور معتدل قول ان کا ہے جو متعہ کو مہر سے الگ رکھتے ہیں، اور اسے صرف اس مطلقہ کے لئے واجب کہتے ہیں، جو مہر کی مستحق نہیں اور اس کے علاوہ کے لئے مستحب کہتے ہیں"(۴)

ایک معاصر مفسر شیخ محمد علی الصابونی (استاذ کلیة الشریعة، مکہ مکرمہ) بھی جمہور حنفیہ، شافعیہ، اور حنابلہ کا یہ مذہب نقل کرتے ہیں، کہ " متاع ان کے نزدیک ایک صورت میں واجب اور باقی میں مستحب ہے، اور شوہر اپنی مطلقہ بیوی کو جماع کی صورت میں جو مال یا لباس دیتا ہے وہ اس کی مدد عزت ہمت افزائی اور دل جوئی واشک شوئی کے لئے ہوتا ہے اور امام مالکؒ کے یہاں اس کی مقدار متعین نہیں، امام شافعیؒ خوشحال آدمی کے لئے ایک خادم، متوسط آمدنی والے کے لئے تیس درہم اور تنگ دست کے لئے ایک دوپٹہ دینا مناسب

(۱) تفسیر ابن کثیر ۱/۵۱۱ (بیروت ۱۹۶۶ء) (۲) جلالین ص ۳۷ (کلکتہ ۱۳۷۶ھ)
(۳) تفسیرات احمدیہ ص ۱۲۲ (مطبع حسینی دھلی) (۴) تفسیر المنار ۲/۴۴۴
(قاھرہ ۱۳۲۵ھ)

ہیں، امام ابوحنیفہؒ اس کی کم تعداد قمیص، اوڑھنی، اور چادر کہتے ہیں جو نصف مہر سے زیادہ نہ ہو، امام احمدؒ ایک قمیص و چادر کہتے ہیں جس میں نماز ہو جائے ان سے بھی شوہر کی مالی حالت کا لحاظ کرنا منقول ہے۔" (۱)

بطور نمونہ تاریخی تسلسل کے ساتھ عہد بہ عہد لکھی جانے والی اہم قرآنی تفسیروں کے مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ واضح ہوگیا کہ علمائے اسلام کی اکثریت کا اس پرا جماع و اتفاق ہے کہ متاع صرف اسی صورت میں واجب ہے جس میں مطلقہ سے قربت نہ ہوئی ہو اور نہ مہر متعین ہوا ہو، اس کے علاوہ بقیہ سب صورتوں میں مستحب ہے دوسرے یہ کہ نفقہ و سکونت کا انتظام صرف عدت تک ہے، تیسرے یہ کہ متاع زوجین کے حسب حیثیت ہے اس کی اعلیٰ شکل خادم مہیا کرنا اوسط شکل کچھ رقم دینا، اور ادنیٰ شکل ایک جوڑا کپڑا اور چادر یا نقاب دینا ہے چوتھا اہم حکم آیت متاع کے لفظ و مفہوم سے یہ نکالا گیا ہے کہ ہندوستانی سپریم کورٹ کے فیصلے کے برعکس یہ متاع دائمی اور مسلسل نہ ہوگا اور مطلقہ عورت بیوی نہیں سمجھی جائے گی، اس طے شدہ حکم کے پیش نظر یہی یہ بات سامنے آتی ہے کہ شروع سے آج تک کسی مفسر، محدث اور فقیہہ نے اپنی کتاب میں اس آیت کے نفقۂ مطلقہ پر استدلال نہیں کیا ہے اور نہ اس کے تسلسل واستمرار کی بات کہی ہے۔

متاع طلاق کے بارے میں امام محمدؒ کی اس روایت سے احناف کا مستند مسلک سامنے آجاتا ہے وہ لکھتے ہیں:

"ہم سے امام مالکؒ نے نافعؒ کی روایت بیان کی کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ ہر مطلقہ کے لیے متعہ ہے سوا اس کے جس کا مہر متعین ہوا اور جس سے صحبت نہ کی گئی ہو تو اس کے لئے نصف مہر ہے، امام محمدؒ کہتے ہیں کہ ہم اس روایت پر عمل کرتے ہیں اور صرف اس مطلقہ کو متاع دینے پر مجبور کیا جائے گا، جسے قبل دخول طلاق

---

(۱) روائع البیان تفسیر آیات الاحکام من القرآن ۱/۳۷۹،۸۰ (دار القرآن الکریم ۱۹۷۲ء)

دی گئی ہو اور اس کا مہر متعین نہ ہوا ہو، یہ متعہ واجب ہے اور قاضی اسکا مواخذہ کرسکتا ہے اور متعہ کی ادنیٰ شکل مطلقہ کے گھریلو استعمال کے کپڑے ہیں یعنی قمیص، چادر اور اوڑھنی، یہی امام ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے"۔ (۱)

قاضی ابن رشد مالکی کہتے ہیں "جمہور کا مسلک یہ ہے کہ متعہ طلاق ہر مطلقہ کے لئے نہیں ہے، کچھ اہل ظاہر اسے ہر مطلقہ کے لئے واجب کہتے ہیں، اور کچھ لوگ اسے مستحب کہتے ہیں جو امام مالک کا بھی قول ہے الخ"۔ (۲)

ضرورت مندوں پر خرچ کے فضائل

نفقات اور مالی کفالت کے سلسلے میں اسلامی قانون کی تفصیلات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس نے ایک فلاحی، ہمدرد، انسان دوست اور اخوت و مساوات پر مبنی ایک صالح و صحت مند معاشرہ کی تشکیل کے لئے حقوق و فرائض کے درمیان بڑا معتدل و متوازن اور قابل عمل تناسب اور ذمہ داری قائم کی ہے جن میں افراد پر حقوق کے ساتھ فرائض بھی عائد کئے گئے ہیں جن کی وجہ سے معاشرہ کے تمام افراد اپنے کو ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ مودت و مروت کے ذریعہ وابستہ محسوس کرتے ہیں اور وقت ضرورت ایک دوسرے کی کفالت و خبر گیری کرتے ہیں اس طرح اسلامی معاشرہ کا کوئی فرد کسی حال میں بیکسی و کس مپرسی کی زندگی نہیں گذار سکتا یہی احساسِ ذمہ داری تھا جس نے حضرت عمرؓ سے یہ کہلوایا کہ "اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مرتا ہے تو اس کے بارے میں عمر سے قیامت میں باز پرس ہوگی" اور وہ حدیث یہی احساس پیدا کرتی ہے جس میں فرمایا گیا کہ "وہ مسلمان نہیں جو خود کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے"

انسانی معاشرہ میں سب سے بیچارہ شخص یتیم اور بیوائیں ہو سکتی ہیں اس لئے یتیم پروری

---

(۱) مؤطا امام محمد، ص ۳۶۲ (لکھنو ۱۹۸۲) (۲) بدایۃ المجتہد ۲/ ۹۷ (مصر

اور بیوہ کی خبرگیری کو بہترین کارثواب بنایا گیا ہے جس کے پیش نظر کیسا ہی زوال پذیر مسلم معاشرہ ہو مگر ان دونوں کی خبرگیری اس میں موجود ملے گی نفقات و صدقات کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا زیادہ حصہ معاشرہ کے کمزور طبقات بچوں اور عورتوں سے متعلق ہیں، حضرت ابوسعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی تین بیٹیاں یا بہنیں یا دو بیٹیاں اور بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ حسن وسلوک کرے اور اللہ سے ڈرے تو اس کے لئے جنت واجب ہے" (۱)

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من ابتلو بشئ من البنات فصبر علیہن کن لہ حجاباً من النار (۲)	جس پر لڑکیوں کی کوئی ذمہ داری پڑے اور وہ ذمہ داری برداشت کرے تو وہ لڑکیاں جہنم کی آگ سے اس کی حفاظت کا ذریعہ بنیں گی،

حضرت انس رضؓ کی روایت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس نے دو بچیوں کی پرورش کی وہ اور ہم جنت میں ہاتھ کی ان دو انگلیوں کی طرح رہیں گے اور آپ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا" (۳)

حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت میں آنحضورؐ نے یہی بات یتیم کے سلسلے میں بھی فرمائی (۴) بیوہ اور یتیم کی خبرگیری کے بارے میں صفوان بن سلیم رضؓ اور ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

الساعی علی الارملۃ والمسکین کالمجاھد فی سبیل اللہ اوکالذی یصوم النہار ویقوم اللیل (۵)	بیوہ اور مسکین کی مدد کرنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے یا دن بھر روزہ رکھنے والے یا رات بھر عبادت کرنے والے جیسا ہوتا ہے۔

(۱، ۲)(۳)(۴) سنن ترمذی ص ۳۲۱، ۳۲۲ (دھلی ۱۲۶۶ھ (۵) ایضاً ص ۳۲۹

مطلقہ اگر نادار ہے تو اسے بھی بیوہ عورت پر قیاس کر کے اس کی خبر گیری باعث ثواب ہوگی اور اس کے اعزہ کے نہ ہونے یا خبر گیری نہ کرنے کی صورت میں مسلم معاشرے پر اس کی ذمہ داری عائد ہوگی

نفقۂ مطلقہ احناف کے یہاں عدت تک مطلقہ کا نان ونفقہ اس کے شوہر پر ہے اور یہ حکم قرآن کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔

وَاِنْ کُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْہِنَّ حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَہُنَّ (طلاق ۶)　　اور اگر وہ حمل سے ہوں تو ان پر خرچ کرو جب تک کہ حمل سے فارغ ہو جائیں،

اس کی تائید حضرت عمرؓ کے عمل اور فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت کی تردید سے ہوتی ہے اور ان کے حکم کو حضرت زید بن ثابتؓ، اسامہ بن زیدؓ، حضرت عائشہؓ، سعید بن المسیبؒ، قاضی شریحؒ، امام شعبیؒ، اسود بن یزیدؒ امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کی تائید حاصل ہے، مطلقہ بائنہ کو امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے یہاں صرف سکنیٰ ملے گا اور اگر حاملہ ہو تو نفقہ بھی اور امام احمدؒ اسحاقؒ اور ابو ثورؒ کے مسلک میں نہ اسے نفقہ ملے گا نہ سکنیٰ۔

فقہا کی تصریحات کے مطابق نفقہ ازدواجی تعلق کے سبب تھا اور اس کے ختم ہونے کے ساتھ اس کا حق بھی ختم ہو جاتا ہے طلاق کے بعد سابق شوہر کو نفقہ کے لئے مجبور کرنا غیر قانونی و غیر عقلی اور غیر اخلاقی چیز ہے جو ایک طرف شوہر کو غلط اقدام پر مجبور کر سکتی ہے اور دوسری طرف مطلقہ کو بھی من مانی کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے، یہ قرآن کے اس حکم کے بھی خلاف ہے کہ

وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ ۰ (نساء - ۲۹)　　آپس میں ایک دوسری کا مال غلط طریقے سے نہ کھاؤ،

حدیث میں بھی فرمایا گیا

لا لایحل لامرئ من مال اخیہ شئی الا بطیب نفسہ. (مسند احمد ۱۱۲/۵)　　کسی کے لئے اپنے کسی بھائی کا مال بغیر اس کی مرضی کے جائز نہیں:

اسلام کا نظام نفقات رشتہ قرابت کی دوری و نزدیکی کے لحاظ سے فطری ترتیب کے مطابق قائم ہوتا ہے اور اس کا نظام وراثت بھی اسی ترتیب و مصلحت کے مطابق نافذ ہوتا ہے اور اس میں حقوق و فرائض، ذمہ داری اور منافع (الغنم بالغرم) کی یکسانیت و مطابقت کا لحاظ رکھا گیا ہے، اس میں عورتوں کے ساتھ ایسی خاص رعایت کی گئی ہے جو دنیا کے کسی قانون میں نہیں یعنی کمانے اور خرچ کرنے کی ذمہ داری صرف مردوں پر ڈالی گئی ہے اور عورتوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔

اسلامی قانون میں عورت ہونا ہی کسبِ معاش سے عجز کی دلیل ہے (مجرد الأنوثة عجز) (۱) اس لئے ان کی ذمہ داری ان کے والدین، شوہروں اور اولاد اور پھر نزدیک و دور کے رشتہ داروں پر ہے۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں "ہر ذی رحم محرم کے لئے نفقہ واجب ہے، اگر وہ چھوٹا اور محتاج ہو یا بالغ عورت ہو اور محتاج ہو یا معذور ہو یا اندھا فقیر ہو تو میراث کے مطابق نفقہ واجب ہوتا ہے۔ کیونکہ قریب کی نہ کہ دور کی رشتہ داری میں صلہ رحمی واجب ہے اور اس کا امتیاز ذی رحم محرم کے ہوتا ہے اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے، وعلی الوارث مثل ذٰلك ..... اس وجوب کے اسباب میں فقر و احتیاج، کم عمری، عورت ہونا، اور معذور ہونا ہے اندھا ہونا بھی عاجز ہونے کی وجہ سے احتیاج کی علامت ہے اور کمانے پر قادر غنی شمار ہوگا بخلاف والدین کے کہ کمانے سے ان کو تکلیف ہوگی جبکہ لڑکا ان سے دفع ضرر پر مامور ہے اس لئے باوجود کمانے پر قادر ہونے کے ان کا نفقہ لڑکے پر واجب ہے" (۲)

اس طرح اگر مطلقہ صاحب اولاد ہے تو اس کی اولاد پر اس کے بعد والد پر پھر بھائی، چچا ماموں، پھوپھا، خالو، اور دوسرے اعزہ پر میراث کی ترتیب سے اس کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔

---

(۱) رد المحتار ۲/۹۲۵　(۲) هدایه ۲/۴۲۷ دیوبند (۱۳۷۵ھ)

علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں۔

فالاناث علیہ نفقتھن الی ان یتزوجن اذا لم یکن لھن مال ولیس لہ ان یواجرھن فی عمل ولاخدمۃ وان کان لھن قدرۃ واذا طلقت وانقضت عدتھا عادت نفقتھا علی الأب (۱)	لڑکیوں کا خرچ اگر ان کے پاس مال نہ ہو تو شادی تک باپ پر ہے اور وہ انہیں کسی کام یا خدمت پر نہیں لگا سکتا اگرچہ انہیں قدرت ہو اور وہ جب طلاق پا جائے اور عدت گذر جائے تو اس کا نفقہ پھر باپ پر لوٹ آتا ہے۔

مطلقہ بیٹی کی خبر گیری کو رسول اللہ علیہ وسلم نے منتخب ترین نیکی قرار دیتے ہوئے حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

الا أدلك علیٰ اعظم الصدقۃ؟ ابنتك المردودۃ الیك لیس لھا کاسب غیرك: (ابن ماجہ ۲۶۹)	کیا تمہیں سب سے بڑا صدقہ نہ بتاؤں؟ وہ تمہاری لوٹائی ہوئی (طلاق یا فتہ یا بیوہ) لڑکی ہے جس کے لئے تمہارے سوا کوئی اور کمانے والا نہیں ہے۔

ان سب انتظامات کے ساتھ اگر طلاق دینے والا شوہر اپنی مرضی سے مطلقہ عورت کی مدد کرتا ہے تو یہ اس کا فضل و احسان ہے، عورت کے رشتہ داروں کے نہ ہونے یا نفقہ نہ اٹھا سکنے کی صورت میں جس طرح اس کی کفالت مسلم معاشرے پر ہے اسی طرح حکومتِ ہند پر بھی ہے جو ایک ویلفیر اسٹیٹ ہے اور جو بیواؤں اور معذوروں کو پنشن دیتی بھی ہے خصوصاً اس معاشی صورتِ حال کے پیش نظر کہ ہندستانی مسلمان بہ حیثیت مجموعی اقتصادی طور پر بہت پس ماندہ ہیں۔

---

(۱) فتح القدیر ۳/۳۴۴۔ (۲) مسند احمد ۴/۱۷۵۔

تمہیں جمہوریت کے پاسبانو آج کیا بھیجوں؟

عزیز ربّانی عزیز

تمہیں جمہوریت کے پاسبانو آج کیا بھیجوں — کہو تو خونِ دل خونِ جگر خونِ وفا بھیجوں

لکھا تھا جس کو راوی کے کنارے ناخداؤں نے — اگر خواہش ہو تم کو وہ پیامِ ناخدا بھیجوں

ابھی محفوظ کتنی یادگاریں ہیں شہیدوں کے — اگر مانگو کوئی خونیں کفن خونیں ردا بھیجوں

بنایا جس کو دیوانوں نے اپنے شوق کا پرچم — اگر ذوقِ جنوں ہو تو وہی چاکِ قبا بھیجوں

جسے پی کر شہیدوں نے حیاتِ جاوداں پائی — جو پینے کا سلیقہ ہو وہی آبِ بقا بھیجوں

تمہیں فرصت کہاں تم سن سکو آہِ غریباں کو — مجھے موقع کہاں کوئی نویدِ جاں فزا بھیجوں

غریبی بھوک بیماری تعصب جہل تاریکی — بتاؤ تم تمہارے واسطے میں آج کیا بھیجوں

گر تم رات کی ظلمت کو کہہ دو رات کی ظلمت — پیامِ صبحِ نو تم کو یہ فیضانِ صبا بھیجوں

میرا احساس غیرت اب مجھے جینے نہیں دیتا — سلامت تم رہو میں تم کو جینے کی دعا بھیجوں

تمہارا شکریہ ہر نشترِ غم تم نے بھیجا ہے — یہ میرا فرض ہے تم کو کوئی تحفہ نیا بھیجوں

اگر باقی ہے خاکستر میں اب بھی کوئی چنگاری
تو دیوانِ عزیزِ شاعرِ شعلہ نوا بھیجوں

مجروح

محافظینِ شریعت کے نام

پٹنہ میں ۲۴ نومبر ۸۵ء کو مسلم پرسنل لا کے جلوس پر پولیس کی زیادتی اور مجروحین کی حالت دیکھ کر مندرجہ ذیل دونوں نظمیں لکھی گئیں ۔

میرے عزیزو، وفا شعارو، خدا کے بندو، خدا کے پیارو
رسول اکرمؐ کے جاں نثارو، قلمروِ دیں کے تاجدارو

تمہیں سے ہمت جواں ہماری تمہیں سے ہے عزوشاں ہماری
خدا کا سایہ تمہارے سر پر، تمہارے اوپر ہے فضلِ باری

تمہیں سے ملت کا کام ہوگا، تمہیں سے امت کا نام ہوگا
تمہیں شریعت کے ہو محافظ، تمہارا نعرہ ہی عام ہوگا

یہ گرمجوشی، یہ رزم کوشی، یہ حق گذاری، یہ جاں سپاری
کوئی تزلزل، نہ کچھ تذبذب، نہ دل میں دہشت، نہ خوف طاری

بڑھا قدم جو مجاہدانہ، نہ گرد دیکھا، نہ پیش جانا
ہو راہِ عشق نبی کے پیرو، تمہارے جذبات والہانہ

تمہارا خوں رائیگاں نہیں ہے، تمہارا چرچا کہاں نہیں ہے
فضا دعاؤں سے گونج اٹھی، اثر سے خالی جہاں نہیں ہے

یہ عزمِ محکم، یہ سعی پیہم، جہان میں سرخرو کرے گی
تمہارا ہی ہوگا بول بالا، عدو کو بے آبرو کرے گی

یہ سرخ قطرے بنیں گے شعلے، یہ گرم آہیں دھواں بنیں گی
ستم جواب بھی نہیں رکا تو یہ آہیں پھر بجلیاں بنیں گی

یہ بجلیاں جگ کو پھونک دیں گی، یہ شعلے سب کو بھسم کریں گے
جنہیں شریعت ہے سب سے پیاری کبھی نہ گردن کو خم کریں گے

دعا ہے یہ قاسمیؔ کی ہر دم خدا تمہیں کامیاب رکھے
رہِ طلب کی صعوبتوں میں تمہارا جوشِ شباب رکھے

محمد معظم حسین قاسمی

محمد معظم حسین قاسمی

ہتھیارے پولیس والوں کے نام

سنو اے حاملِ جہل مرکب اے پولس والو
نہتّے نوجوانوں پر مظالم توڑنے والو

ذرا سوچو کہ یہ امن و اماں اور شانتی والے
تشدد چاہتے تو کیوں نہ لاتے لاٹھیاں بھالے

شریعت کے یہ متوالے ہیں، مذہب کے پجاری ہیں
وطن سے انکو الفت ہے یہ ہندی ہیں بہاری ہیں

تمہارے ہموطن بھائی تمہارے ساتھ رہتے ہیں
مصیبت دیش پر آئے تو سب کے ساتھ سہتے ہیں

تم اپنے ہموطن پر بھائیوں پر وار کرتے ہو
یہ کیسے آدمی ہو کس طرح بیبو پار کرتے ہو

یہی وہ نوجوان ہیں جن پہ بھارت ناز کرتا ہے
انہیں پر فخر بھارت کا ہر ایک جاں باز کرتا ہے

انہیں کے پیش رو، عبدالحمید، اشفاق خان بھی تھے
انہیں میں ایک عثماں، سرحدی غفار خاں بھی تھے

انہیں کے پیشواں آزاد، مولانا حسین احمدؒ
وہ ملت کے مجاہد حفظ الرحمٰن، وہ علی احمدؒ

حکیم اجمل داناں، وہ ذاکر خان دانشور ـ
وہ شیخ الہند محمود الحسن، وہ حضرتِ جوہرؒ

یہی وہ رہنما تھے جن پہ ہند و ناز کرتے تھے
ہر ایک پیر و جواں کو ہمدم و دمساز کرتے تھے

انہیں کے ماننے والوں پہ یوں ظلم و ستم ٹوٹے
کسی کی ٹانگ ٹوٹے اور کسی بچے کا سر پھوٹے

جو ظالم اور ہتھیارے ہیں رکھشا کر نہیں سکتے
وطن سے لابھ اٹھاتے ہیں وطن پر مر نہیں سکتے

تحفظ شریعت بل

پارلیمنٹ میں پیش کئے گئے بل کا اصل متن

مسلم پرسنل لا نمبر تیاری کے مرحلے میں تھا کہ حکومت نے مسلمانوں کے متفقہ شدید احتجاج کی بنا پر "تحفظ شریعت بل"، کے نام سے پارلیمنٹ میں ایک بل پیش کررہا ہے، جس پر عام طور سے مسلم عمائدین نے اطمینان کا اظہار کیا ہے جبکہ اپوزیشن پارٹیاں اس کی مخالفت کررہی ہے ہم اپنے قارئین کی خدمت میں بل کا متن پیش کررہے ہیں۔

مدیر

ایسی مسلمان عورتوں کے حقوق کے تحفظ کا بل جنہیں ان کے شوہروں نے طلاق دیدی ہو یا جنہوں نے طلاق لی ہو نیز ان کے حقوق اور طلاق سے متعلقہ معاملات و واقعات سے متعلق بل۔

جسے جمہوریہ ہند کے ۳۷ رویں سال پارلیمنٹ نے قانون کی شکل میں نافذ کیا، مندرجہ ذیل ہے۔

۱ (۱) اس ایکٹ کو مسلم خواتین (طلاق سے متعلق حقوق) ایکٹ ۱۹۸۶ء کہا جائے گا۔

(۲) اس ایکٹ کا نفاذ ریاست جموں کشمیر کے سوا تمام ہندوستان پر ہوگا۔

۲: اس ایکٹ میں شامل اصطلاحات کا مفہوم یہ لیا جائے گا۔؟

الف: مطلقہ عورت سے مراد وہ مسلم خاتون لی جائے گی جس کی شادی مسلم لا کے تحت ہوئی ہو، اور اسے طلاق دے دی گئی ہو، پھر اس نے اسلامی قانون کے تحت اپنے شوہر سے طلاق حاصل کی ہو۔

ب : مطلقہ عورت کے سلسلے میں "عرصہ عدت سے" مراد ہے ۔

۱۔ طلاق کے بعد ۳ ماہواریوں کا گذرنا اگر مطلقہ عورت حائضہ ہوتی ہو ۔

۲۔ اگر مطلقہ عورت کو حیض نہ آتے ہوں تو طلاق ہونے کے بعد ۳ قمری مہینوں تک ۔

۳ اگر طلاق کے وقت عورت حاملہ ہو تو طلاق کے وقت سے بچہ کی ولادت یا حمل کے ساقط ہونے تک جو بھی پہلے ہو ۔

ج : "مجسٹریٹ" سے مراد وہ فرسٹ کلاس مجسٹریٹ لیا جائے گا جو اس علاقے میں جہاں مطلقہ عورت رہتی ہے، کوٹ آف کرمنل پروسیجر ۱۹۷۳ کے تحت اختیار سماعت رکھتا ہو۔

۳ : ۱۔ کسی بھی دوسرے قانون کے باوجود جو اسوقت نافذ ہو اب مطلقہ خاتون مندرجہ ذیل حقوق کی حقدار ہوگی

الف : سابقہ شوہر کی طرف سے اس کا حسب حال اور مناسب و معقول بندوبست اور نان ونفقہ کا انتظام اور اس کی ادائیگی عدت کی مدت کے اندر کردی جائے ۔

ب اس صورت میں جبکہ وہ ان بچوں کی بھی پرورش کررہی ہو جو طلاق سے قبل یا طلاق کے بعد اسکے ہاں تولد ہوئے ہوں تو سابقہ شوہر ان بچوں کی تاریخ پیدائش سے دوسال تک ان کے لئے بھی مناسب و معقول بندو بست کرے گا اور نان ونفقہ ادا کرے گا۔

ج : اسلامی قانون کے مطابق شادی کے وقت جو اسکا مہر متعین کیا گیا تھا اس رقم کی ادائیگی ۔

د : ان جائدادوں کی حوالگی جو اس خاتون کو قبل از شادی یا شادی کے وقت یا شادی کے بعد اسکے رشتہ داروں یا احباب کی طرف سے منتقل ہوئی ہو یا شوہر، شوہر کے رشتہ داروں یا شوہر کے دوستوں کیجانب سے اسے ملی ہو۔

۲ : اس صورت میں جبکہ مطلقہ عورت کا وقت طلاق مناسب معقول بندوبست نہ کیا گیا ہو یا اسے نان نفقہ ادا کیا گیا ہو یا اس کے مہر کی رقم نہ ادا کی گئی ہو، یا کلاز (د) کے سب سیکشن (۱) کے مطابق اسے جائدادوں کی تحویل نہ دی گئی تو مطلقہ عورت خود یا وہ جسے مختار بنائے وہ اس کی جانب سے مجسٹریٹ کی عدالت میں بندوبست اور نان ونفقہ کی ادائیگی کے لئے مہر یا جائدادوں کی حوالگی کیلئے جو بھی صورتحال ہو اسکے ازالہ کیلئے درخواست دے سکتا ہے

۳ : ان حالات میں جبکہ مطلقہ عورت نے درخواست سب سیکشن (۲) کے تحت دی ہو تو اگر مجسٹریٹ مطمئن ہو جائے کہ

الف: مطلقہ عورت کا خاوند مناسب وسائل ہونے کے باوجود عرصہ عدت کے درمیان اس کا اور اس کے بچوں کا مناسب و معقول بندوبست کرنے اور نان ونفقہ کی ادائیگی کرنے میں ناکام رہا ہو یا۔

ب: معینہ مہر کی رقم کی ادائیگی نہیں کی گئی ہے یا ان جائداد وں کی حوالگی نہیں کی گئی ہے جن کا ذکر کلاز (د) کے سب سکیشن (۱) میں کیا گیا ہے تو وہ اس بات کا حکم دے سکتا ہے کہ مطلقہ عورت کا سابق شوہر درخواست داخل ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر اندر مناسب ومعقول بندوبست اور نان ونفقہ کی ادائیگی کرے اس کی مناسب ومعقول ہونے کا تعین عدالت مطلقہ عورت کی ضروریات نیز شادی شدہ زندگی کے دوران ان کے معیار زندگی اسکے علاوہ اسکے سابق شوہر کے ذرائع آمدنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے کرے گی یا مطلقہ عورت کو مہر کی ادائیگی کا حکم یا ان جائداد کی حوالگی کا حکم دے سکتا ہے جن کا ذکر کلاز (د) کے سب سکیشن (۱) میں کیا گیا ہے۔

ایسی صورت میں جب کہ مجسٹریٹ اس درخواست پر فیصلہ کو نا معینہ عرصہ میں ناممکن العمل سمجھتا ہے تو وہ اس کی وجوہات ریکارڈ کر کے معینہ مدت کے بعد بھی فیصلہ کر سکتا ہے۔

۴: اگر کسی بھی فرد جس کے خلاف سب سکیشن (۳) کے تحت فیصلہ کیا گیا ہو بنا کسی مناسب عذر کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی برتے گا تو مجسٹریٹ نان ونفقہ کی رقم یا مہر کی رقم قانونی طور پر وصول کرنے کے لئے کوڈ آف کرمنل پروسیجر ۱۹۷۳ء جس کے تحت قانونی طور پر جرمانے وصول کئے جاتے ہیں کا استعمال کرے گا اور کل واجب رقم یا اس کے غیر ادا شدہ حصہ کی ادائیگی کی حکم عدولی میں سزا دے سکتا ہے جس کی میعاد واجب رقم کی ادائیگی تک یا ایک سال تک ہو سکتی ہے جو بھی پہلے ہو مگر ایسے فرد کو عدالت میں اپنی صفائی اور دفاع کا حق پوری طرح دیا جائے گا اور بیان کردہ سزا معینہ کوڈ کے مطابق ہی دی جائے گی۔

۴.۱۔ اس ایکٹ کے تحت دی گئی مراعات یا اور کسی بھی مروجہ قانون کے باوجود اگر مجسٹریٹ اس بات سے مطمئن ہو جاتا ہے کہ مطلقہ عورت نے دوبارہ شادی نہیں کی ہے اور وہ عدت کے بعد اپنا خرچہ چلانے کی سکت نہیں رکھتی تو وہ اس مطلقہ عورت کے ان رشتہ داروں کو جو اسکی وفات کے بعد اسلامی قانون کے مطابق اس کے ترکہ میں حصہ دار ہوں حکم دے سکتا ہے کہ وہ اس عورت کو مناسب اور معقول نان ونفقہ دیں جس کا تعین عدالت اس عورت کی ضروریات اس کی شادی شدہ زندگی کی مدت کے دوران اسکے معیار زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے کرے گی، علاوہ ازیں عدالت اس تعین کے لئے رشتہ داروں کے وسائل کو بھی مدنظر رکھے گی، اور نان نفقہ کی ادائیگی میں ان

کے حصہ کا تعین اس نسبت سے کیا جائیگا جس نسبت سے وہ اس کے ترکہ میں حصہ دار ہوں گے اور ایسے مواقع پر عدالت اپنے حکم میں اسکی وضاحت کریگی۔ ایسی صورتحال میں جبکہ کوئی رشتہ دار مرد یا عورت اپنے اس حصہ کی ادائیگی کے ناقابل ہو جو مجسٹریٹ نے متعین کیا ہے تو مجسٹریٹ ادائیگی نہ کر سکنے کے ثبوت پیدا ہونیکی صورتمیں یہ حکم بھی کر سکتا ہے کہ غیر ادا شدہ حصہ کی ادائیگی ایسے دوسرے رشتہ داروں کے ذریعہ کی جائے جو مجسٹریٹ کی نگاہ میں ادا کر سکنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور اسی تناسب سے ادا کر سکتے ہوں جو مجسٹریٹ مناسب سمجھ کر حکم دے۔ ۲۔ اس صورت میں جہاں مطلقہ عورت اپنی کفالت نہ کر سکنے کی حالت میں ہو اور اس کے ایسے رشتہ دار بھی نہ ہوں جن کا سب سیکشن (۱) میں تذکرہ کیا گیا ہے، یا ایسے رشتہ دار یا ان میں سے کوئی فرد اتنے ذرائع بھی نہ رکھتا ہو کہ وہ مجسٹریٹ کا حکم کردہ نان و نفقہ دے سکے یا دیگر رشتہ داروں کے پاس بھی اتنے وسائل نہ ہوں کہ وہ اپنے ان رشتہ داروں — — — — — — — — —

رعایہ پر واجب ہونے والے نان و نفقہ کے حصہ کو ادا کر سکیں جو مجسٹریٹ کے حکم کی وجہ سے سب سیکشن (۱) کے تحت انپر نافذ ہوتا ہے مجسٹریٹ اپنے اختیار سے وقف ایکٹ ۱۹۵۴ء کی سیکشن ۹ کے تحت قائم ہونیوالے ریاستی وقف بورڈ کو یا کسی بھی دوسرے قانون کے تحت جو اسوقت اس ریاست میں نافذ ہو جہاں مطلقہ عورت رہائش پذیر ہے، حکم جاری کر سکتا ہے کہ وہ اس نان نفقہ کی ادائیگی کریں جس کا تعین سب سیکشن (۱) کے تحت کیا گیا ہے یا حالات کے مطابق وقف بورڈ سے ان رشتہ داروں کا حصہ ادا کرنے کیلئے جو ادا کر سکنے کے لائق ہوں ایسے مواقع پر وہ اپنے آرڈر میں وضاحت کریگا۔

۵۔ ۱۔ مرکزی حکومت سرکاری گزٹ میں نوٹیفیکشن کر کے اس ایکٹ کے مقاصد کو پورا کرنیکیلئے رولز وضع کر سکتی ہے۔

۲۔ اس ایکٹ کے تحت بنائے جانے والے ہر رول کو بننے کے فوراً بعد پارلیمنٹ کے ہر ایوان کے سامنے جلد از جلد پیش کیا جانا ہوگا ایوان میں یہ بل ۳۰ روز تک زیر غور رہ سکتا ہے خواہ یہ ۳۰ روز ایک سیشن میں ہوں یا اس کے بعد ہونیوالے اگلے سیشن میں ملا کر ہوں، اس پہلے اور بعد والے سیشن میں اگر دونوں ایوان اس رول میں کسی ترمیم پر متفق یا دونوں ایوان اس بات پر متفق ہوں کہ یہ رول نہیں بنایا جائے تو پھر یہ رول پہلی صورت میں ترمیم شدہ شکل میں لاگو ہوگا۔ اور دوسری صورت میں لاگو ہی نہیں ہوگا، جیسی بھی صورت ہو علاوہ ازیں ایسی کسی بھی ترمیم سے یا مسترد کئے جانے کے بعد اس رول کے تحت پہلے کئے گئے فیصلوں پر کوئی اثر نہیں پڑیگا۔ . . .

کتبہ:۔ مصطفیٰ صدیقی (فاضل دیوبند)